احمدی نوجوانوں کیلئے

مدیر
منصور احمد نورالدین

فروری 2004ء

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نور اللہ مرقدہٗ

محترم صدر صاحب کا پیغام مجلس خدام الاحمدیہ کے نام

پیارے خدام بھائیو!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

پیارے آقا سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے احباب جماعت کو کثرت کے ساتھ یہ دعا کرنے کی تحریک فرمائی ہے:-

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ○

اے ہمارے رب! تو ہمیں ہدایت دینے کے بعد ہمارے دلوں کو کج نہ کر اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت (کے سامان) عطا کر۔ یقیناً تو ہی بہت عطا کرنے والا ہے۔

والسلام

خاکسار

سید محمود احمد

صدر مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ خالد

فروری 2004ء
تبلیغ 1383ہش

جلد 51
شمارہ نمبر 2

monthlykhalid52@yahoo.com

اس شمارے میں

کمپوزنگ: اقبال احمد زبیر ٹائٹل ڈیزائننگ: شیخ خالد محمود پانی پتی پبلشر: قمر احمد محمود مینیجر: عزیز احمد پرنٹر: قاضی منیر احمد

مطبع: ضیاء الاسلام پریس چناب نگر (ربوہ) مقام اشاعت: ایوان محمود دارالصدر جنوبی قیمت ۱۰ روپے۔۔۔ سالانہ ۱۰۰ روپے

PH: +92 4524 212349- 212685 FAX: +92 4524 213091

اداریہ

آخری منزل کوئی نہیں

حضرت مصلح موعودنوراللہ مرقدہ فرماتے ہیں:۔

''میں تم سے کہتا ہوں کہ اپنی نئی منزل پر عزم، استقلال اور علو حوصلہ سے قدم مارو۔قدم مارتے چلے جاؤ اور اس بات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے قدم بڑھاتے چلے جاؤ کہ عالی ہمت نوجوانوں کی منزل اول بھی ہوتی ہے، منزل دوم بھی ہوتی ہے، منزل سوم بھی ہوتی ہے لیکن آخری منزل کوئی نہیں ہوا کرتی۔ایک منزل کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری وہ اختیار کرتے چلے جاتے ہیں۔وہ اپنے سفر کو ختم کرنا نہیں جانتے۔وہ اپنے رختِ سفر کو کندھے سے اتارنے میں اپنی ہتک محسوس کرتے ہیں۔ان کی منزل کا پہلا دور اسی وقت ختم ہوتا ہے جبکہ وہ کامیاب اور کامران ہوکر اپنے پیدا کرنے والے کے سامنے حاضر ہوتے ہیں اور اپنی خدمت کی داد اس سے حاصل کرتے ہیں جو ایک ہی ہستی ہے جو کسی کی خدمت کی صحیح داد دے سکتی ہے۔

پس اے خدائے واحد کے منتخب کردہ نوجوانو! (دینِ حق) کے بہادر سپاہیو! ملک کی امیدوں کے مرکزو! قوم کے سپوتو! آگے بڑھو کہ تمہارا خدا، تمہارا دین، تمہارا ملک اور تمہاری قوم محبت اور امید کے مخلوط جذبات سے تمہارے مستقبل کو دیکھ رہے ہیں''۔

(الفضل 21 اکتوبر 1964)

※※※

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

خشیتِ الٰہی

(سہیل احمد ثاقب)

نماز کی دعا

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں یہ دعا مانگا کرتے تھے:۔

اے میرے خدا! میں تیری ہی پناہ مانگتا ہوں قبر کے عذاب سے اور میں پناہ مانگتا ہوں مسیح الدجال کے فتنہ سے اور تیری پناہ مانگتا ہوں زندگی اور موت کے فتنوں سے۔ اے میرے ربّ! میں پناہ مانگتا ہوں گناہوں سے اور قرضہ سے۔ اس دعا کو سُن کر ایک شخص نے پوچھا کہ آپ قرضہ سے اس قدر کیوں پناہ مانگتے ہیں؟ فرمایا کہ جب انسان قرضدار ہوجاتا ہے تو بات کرتے وقت جھوٹ بول جاتا ہے اور وعدہ کر کے اس کے خلاف کرتا ہے۔(بخاری کتاب الصلوٰۃ باب الدعاء قبل السلام)

جنگ بدر کے موقع کی دعا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنگ بدر میں ایک گول خیمہ میں تھے اور فرماتے تھے کہ اے میرے خدا! میں تجھے تیرے عہد اور وعدے یاد دلاتا ہوں اور ان کے ایفاء کا طالب ہوں۔ اے میرے ربّ! اگر تو ہی (مسلمانوں کی تباہی) چاہتا ہے تو آج کے بعد تیری عبادت کرنے والا کوئی نہ رہے گا۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ نے آپؐ کا ہاتھ پکڑ لیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! بس کیجئے۔ آپ نے تو اپنے ربّ سے دعا کرنے میں انتہا کر دی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت زرہ پہنی ہوئی تھی۔ آپؐ خیمہ سے باہر نکل آئے اور فرمایا کہ ابھی ان لشکروں کو شکست ہوجائے گی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے بلکہ یہ وقت ان کے انجام کا وقت ہے اور یہ وقت ان لوگوں کے لئے نہایت سخت اور کڑوا ہے۔

(بخاری کتاب الجھاد باب ما قیل فی درع النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

خدا کا فضل

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں:۔

میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک دفعہ یہ فرماتے ہوئے سنا کہ کسی کو اس کا عمل جنت میں نہیں داخل کرے گا۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آپؐ بھی اپنے اعمال کے زور سے جنت میں داخل نہ ہوں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ میں بھی اپنے اعمال کے زور سے جنت میں داخل نہ ہوں گا بلکہ خدا کا فضل اور اس کی رحمت مجھے ڈھانپ لیں گے تو میں جنت میں داخل ہوں گا۔ اس لئے تم نیکی کرو اور سچائی سے کام لو اور خدا کے قرب کو تلاش کرو اور تم میں سے کوئی موت کی آرزو نہ کرے کیونکہ اگر وہ نیک ہے تو شاید وہ نیکی میں اور ترقی کرے اور اگر بد ہے تو شاید اس کی توبہ قبول ہوجائے اور اسے خدا کی رضا کے حاصل کرنے کا موقع مل جائے۔

(بخاری کتاب المرضی باب نھی تمنی المریض الموت)

استغفار کی کثرت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:۔
میں نے آنحضرت ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ خدا کی قسم مَیں دن میں ستر دفعہ سے زیادہ خدا تعالیٰ کے حضور اپنی کمزوریوں سے عفو کی درخواست کرتا ہوں اور اس کی طرف جھک جاتا ہوں۔

(بخاری کتاب الدعوات باب استغفار النبی ﷺ)

موت کا خیال

حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:۔
رسول کریم ﷺ کی عادت تھی کہ جب آپؐ اپنے بستر پر لیٹتے اپنے رخساروں کے نیچے اپنا ہاتھ رکھتے اور فرماتے: اے میرے مولا! میرا مرنا اور جینا تیرے ہی نام پر ہو اور جب سو کر اٹھتے تو فرماتے: شکر ہے میرے ربّ کا جس نے ہمیں زندہ کیا اور جو ہمیں مارتا ہے۔

(بخاری کتاب الدعوات باب وضع الید تحت الخد الیمنی)

اعمال کے بدنتائج سے بچنے کی دعا

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر دعا کیا کرتے تھے:۔
اے اللہ! میرے اعمال کے بدنتائج سے مجھے محفوظ رکھ اور میری خطاؤں کے نتائج سے بھی۔ میں اگر اپنی ناواقفیت کی وجہ سے کوئی کام جو کرنا ہو نہ کروں یا کوئی کام جس حد تک مناسب تھا اس سے زیادہ کر بیٹھوں اور جسے تو میری نسبت زیادہ جانتا ہے تو اس کے نتائج سے بھی مجھے محفوظ رکھ۔ اے اللہ! اگر کوئی بات میں بے دھیان کہہ بیٹھوں یا متانت سے کہوں، غلطی سے کہوں یا جان کر کہوں۔ اور یہ سب کچھ مجھ میں ممکن ہے۔ پس ان میں سے اگر کسی فعل کا نتیجہ بد نکلتا ہو تو اس سے مجھے محفوظ رکھیو۔

(بخاری کتاب الدعوات باب قول النبی ﷺ اغفرلی ماقلمت واخرت)

خوفِ الٰہی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگا کرتے تھے:۔
اے میرے رب! میں تجھ سے سستی اور شدید بڑھاپے اور گناہوں اور قرضہ اور قبر کے فتنہ اور قبر کے عذاب اور دوزخ کے فتنہ اور اس کے عذاب اور دولت کے فتنہ کے نقصانوں سے پناہ مانگتا ہوں اور اسی طرح میں غربت کے فتنہ سے پناہ مانگتا ہوں اور مسیح الدجال کے فتنہ سے پناہ مانگتا ہوں۔ اے میرے اللہ! میری خطاؤں کو مجھ سے برف اور اولوں کے پانی کے ساتھ دھودے اور میرے دل کو ایسا صاف کردے کہ جیسے تو نے سفید کپڑے کو میل سے صاف کر دیا ہے اور مجھ میں اور گناہوں میں اتنا فاصلہ حائل کردے جتنا تو نے مشرق و مغرب میں رکھا ہے۔

(بخاری کتاب الدعوات باب التعوذ من المأثم المغرم)

ابتلاؤں سے بچنے کی دعا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ خدا سے یہ دعا مانگا کرتے تھے:۔
مجھ پر کوئی ایسی مصیبت نہ آئے جو میری طاقت سے بڑھ کر ہو۔ کوئی ایسا کام نہ پیش آجائے کہ جس کا نتیجہ ہلاکت ہو اور کوئی خدا کا فیصلہ ایسا نہ ہو کہ جس کو میں ناپسند کروں اور کوئی ایسا فعل سرزد نہ ہو کہ جس سے میرے دشمنوں کو خوشی کا موقع ملے۔

(بخاری کتاب الدعوات باب التعوذ من جھد البلاء)

☆☆☆

سیرت حضرت مسیح موعود علیہ السلام

تربیتِ اولاد

(مکرم میر غضنفر پرویز صاحب۔ڈیریانوالہ)

دعا

حضرت مسیح موعود علیہ السلام باوجود بے حد مصروف الاوقات ہونے کے بچوں کی تربیت کی طرف پوری طرح متوجہ رہتے اور مختلف طریقوں سے بچوں کی تربیت فرماتے جن میں سب سے اوّل طریق دعا تھا۔چنانچہ آپؑ خود فرماتے ہیں:-

''میری اپنی تو یہ حالت ہے کہ میری کوئی نماز ایسی نہیں ہے جس میں مَیں اپنے دوستوں اور اولاد اور بیوی کے لئے دُعا نہیں کرتا''۔(ملفوظات جلد دوم صفحہ ۳۷۲)

بڑوں کا ادب

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب اپنا ایک ذاتی واقعہ بیان کرتے ہیں جس میں بڑوں کا ادب کرنے کی تعلیم دینا مقصود تھا:-

''ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے اس حجرہ میں کھڑے تھے جو عزیزم میاں شریف احمد صاحب کے مکان کے ساتھ ملحق ہے۔والدہ صاحبہ بھی غالباً پاس تھیں۔ میں نے کوئی بات کرتے ہوئے مرزا نظام الدین صاحب کا نام لیا تو صرف ''نظام الدین'' کہا۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا:-''میاں آخر وہ تمہارا چچا ہے اس طرح نام نہیں لیا کرتے''۔(سیرت المہدی جلد اوّل صفحہ ۳۱)

خدا کا فضل

ایک دفعہ مدرسہ تعلیم الاسلام قادیان کے طلبہ کو مضمون دیا گیا کہ ''علم اور دولت کا مقابلہ کرو''۔حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے اس پر بہت غور و فکر کی اور بعض ہم مکتب اور ہم جماعتوں سے بھی بحث کی،مگر آپ کے قلب مطہر نے علم اور دولت میں سے کسی کو کافی اور یقینی طور پر بہتر ہونے کا فتویٰ نہ دیا۔

کھانے پر جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی بیٹھے ہوئے تھے آپ نے اپنے چھوٹے بھائی حضرت صاحبزادہ میاں بشیر احمد سے باتوں باتوں میں پوچھا۔بشیر!کیا تم بتا سکتے ہو کہ علم اچھا ہے یا دولت؟ حضرت میاں بشیر احمد صاحب تو خاموش رہے البتہ حضور علیہ السلام نے یہ بات سن کر فرمایا:-

''بیٹا محمود!توبہ کرو۔توبہ کرو۔نہ علم اچھا نہ دولت۔خدا کا فضل اچھا ہے''۔(بحوالہ سوانح فضل عمر صفحہ ۸۵،۸۶)

''ابا تارے جانا''

حضرت مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی روایت کرتے ہیں:-

''حضرت بچوں کو مارنے اور ڈانٹنے کے سخت مخالف ہیں۔بچے کیسے ہی بسوریں شوخی کریں،سوال میں تنگ کریں اور بے جا سوال کریں اور ایک موہوم اور

غیر موجود شے کیلئے حد سے زیادہ اصرار کریں آپ نہ تو کبھی مارتے ہیں، نہ جھڑکتے ہیں اور نہ کوئی خفگی کا نشان ظاہر کرتے ہیں۔ محمود (مراد حضرت خلیفۃ المسیح الثانی) کوئی تین برس کا ہوگا۔ آپ لدھیانہ میں تھے۔ میں بھی وہیں تھا مردانہ اور زنانہ میں ایک دیوار حائل تھی۔ آدھی رات کا وقت ہوگا جو مَیں جاگا اور مجھے محمود کے رونے اور حضرت کے اِدھر اُدھر کی باتوں میں بہلانے کی آواز آئی۔ حضرت اسے گود میں لئے پھرتے تھے اور وہ کسی طرح چپ نہیں ہوتا تھا۔ آخر آپ نے کہا۔ دیکھو محمود! کیسا تارا ہے۔ بچہ نے مشغلہ کی طرف دیکھا اور ذرا چپ ہوا۔ پھر وہی رونا اور چلانا اور یہ کہنا شروع کردیا۔ ''ابا تارے جانا'' کیا مجھے مزا آیا اور پیارا معلوم ہوا آپ کا اپنے ساتھ یوں گفتگو کرنا۔ یہ اچھا ہوا۔ ہم نے ایک راہ نکالی تھی اس نے اس میں بھی اپنی ضد کی راہ نکال لی۔ آخر بچہ روتے روتے خود ہی تھک گیا، چپ ہوگیا، مگر اس سارے عرصہ میں ایک لفظ بھی سختی کا یا شکایت کا آپ کی زبان سے نہ نکلا''۔

(سیرت مسیح موعودؑ از حضرت عبدالکریم صاحب سیالکوٹی صفحہ ۳۷)

بچوں سے شفقت

مکرم خان محمد یحیٰی صاحب بیان کرتے ہیں:-

''حضرت (اماں جان) کو کسی کام کی ضرورت پیش آتی تو ہم بورڈنگ تعلیم الاسلام کے چھوٹے چھوٹے بچے جو اُن دنوں موجودہ مدرسہ احمدیہ میں ہی رہتے تھے، کام کرنے کی خاطر شوق سے آجاتے۔ مجھے یاد ہے کہ اکثر حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہم بچوں کے متعلق دریافت فرماتے۔ یہ کون ہے۔ وہ کون ہے؟ خاکسار کے متعلق ایک مرتبہ دریافت فرمایا تو حضرت (اماں جان) نے فرمایا۔ انوار حسین صاحب آموں والے کے لڑکے ہیں۔ فرمانے لگے کہ اس کو کہو کہ بیٹھ جائے اور کام نہ کرے۔ مجھے بٹھا دیا اور دوسرے لڑکے کام کرتے رہے''۔ (الفضل قادیان 8 جولائی 1942ء)

تکلیف کا احساس

مکرم خان محمد یحیٰی صاحب بیان کرتے ہیں:-

''ایک مرتبہ سخت سردی پڑی۔ جس سے ڈھاب کا پانی بھی جمنے لگا۔ ان ایام میں، مَیں گرم علاقہ کا رہنے والا ہونے کے باعث سردی زیادہ محسوس کرتا تھا اور بورڈنگ میں تقریباً سب لڑکوں سے چھوٹا تھا۔ فجر کی نماز کے لئے جانے میں بھی سردی محسوس کرتا تھا۔ حضور سے غالباً ماسٹر عبدالرحمٰن صاحب بی اے سابق مہر سنگھ نے ذکر کیا ہوگا۔ انہوں نے ایک دن میرے پاس آکر کہا کہ حضور نے فرمایا ہے: اس چھوٹے بچہ کو سردی میں تکلیف ہوتی ہے۔ اس لئے اسے (بیت الذکر) میں نماز فجر کے لئے نہ لے جایا کرو۔ اس دن سے مجھے فجر کی نماز سردیوں بھر بورڈنگ میں ادا کرنے کا حکم مل گیا۔

(الفضل قادیان 8 جولائی 1942ء)

☆☆☆☆☆

مقام محمود

مال و متاعِ جان و دل آپ پہ سب نثار ہے
میرے حضور! آپ کو دینِ ہدیٰ سے پیار ہے

میرے حضور! آپ سے روح کو زندگی ملی
میرے حضور! آپ سے زندگی باوقار ہے

میرے حضور! کی طرف کیسے بڑھیں نہ منزلیں
راہِ وفا میں ہر قدم آپ کا استوار ہے

میرے حضور! آپ سے ٹوٹ گیا طلسمِ شب
میرے حضور! صبحِ نو آپ سے جلوہ بار ہے

میرے حضور! آپ سے اہلِ جنوں کے سر بلند
میرے حضور! آپ سے دین کا اقتدار ہے

میرے حضور! آپ سے آج ہے عظمتِ چمن
آج بھی یہ چمن حضور آپ سے پُر بہار ہے

میرے حضور! آپ ہیں جس کے لئے کہا گیا
''اس کے نفس سے ہر اسیر قید سے رَستگار ہے''

میرے حضور! کا ظہور آمدِ دَورِ خسروی
شمعِ یقیں مرے حضور! آپ سے تابدار ہے

آپ کی بات بات سے رازِ نہاں کا انکشاف
آپ کا ایک ایک لفظ موجۂ صد بہار ہے

آپ کے وار سے حضور دشمنِ دین جاں بلب
آپ سے جو جدا ہوئی شاخ وہ بے ثمار ہے

میرے حضور! آپ کے فیض کی ہیں یہ برکتیں
ربوہ کی سر زمین آج رشکِ لالہ زار ہے

آپ کی مدح میں حضور! کہہ نہ سکا علیم کچھ
پڑھنے کے بعد اپنی نظم آپ ہی شرمسار ہے

(عبید اللہ علیم)

ایک ضروری اعلان

ماہنامہ خالد ''سیدنا طاہرؒ نمبر'' کے حوالہ سے نہایت ضروری گذارشات پیش خدمت ہیں۔

1۔ یہ نمبر مارچ اور اپریل کے شمارہ پر مشتمل ہوگا جو انشاء اللہ اندازاً یکم اپریل تک شائع ہو جائے گا۔ مارچ کا شمارہ الگ سے شائع نہیں ہوگا۔

2۔ یہ ایک ضخیم رسالہ ہوگا جس میں 400 کے قریب صفحات ہوں گے۔ رسالہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کی سیرت پر قیمتی مضامین اور ایمان افروز واقعات سے مزین ہوگا۔

3۔ اس ''نمبر'' کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ اس میں 30 سے 40 کے قریب صفحات پر حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کی نادر اور یادگار تصاویر ہوں گی۔

4۔ اس کی قیمت 100 روپے رکھی گئی ہے۔ تاہم مستقل سالانہ خریداروں کے لئے 80 روپے قیمت مقرر کی گئی ہے۔

5۔ اگر ''نمبر'' کی زائد کاپیاں درکار ہوں تو فوری طور پر دفتر کو لکھیں تا کہ مطلوبہ تعداد کے مطابق رسالہ شائع کیا جاسکے۔ بصورت دیگر ''نمبر'' کا حصول مشکل ہوگا۔

6۔ اشتہارات کے لئے یہ گذارش کی گئی تھی کہ ہر ضلع وعلاقہ اپنے ضلع اور علاقہ کی نمائندگی میں پانچ پانچ ہزار کے دعائیہ اشتہار دیں۔ اس سلسلہ میں مجالس سے بھی گذارش ہے کہ آپ اپنی مجلس کی طرف سے دعائیہ تحریر کے ساتھ اشتہار ضرور دیں۔ یہ ایک قائم رہنے والی یاد ہوگی۔

7۔ براہِ کرم فوری طور پر ''نمبر'' کیلئے اشتہار بھجوا دیں۔ اشتہارات مکرم قائد صاحب ضلع کی وساطت سے بھجوائیں۔

8۔ کوشش کریں کہ یہ نمبر ہر احمدی گھرانے میں جائے۔ نمبر ملتے ہی اس کی قیمت وصول کر کے مرکز بھجوا دیں۔

مہتمم اشاعت مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان

فون نمبر: 04524-212349,212685 فیکس نمبر: 04524 213091

پیشگوئی مصلح موعود کا پس منظر

(مکرم عبدالحلیم سحر صاحب)

تاریخ مذاہب میں انیسویں صدی کا نصف آخر اور بیسویں صدی عیسوی کا آغاز خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ یہ وہ دور ہے جب کہ تمام روئے زمین پر ایک طرف تو بڑے بڑے مذاہب کے درمیان گہری سنجیدگی اور انہماک کے ساتھ نظریاتی جنگ لڑی جارہی تھی اور دوسری طرف احیائے علوم اور تہذیب نو کے نتیجہ میں مذہبی اور غیر مذہبی نظریات باہم دِگر بڑی شدت کے ساتھ برسرپیکار تھے۔ عیسائیت، اسلام اور ہندومت کا مجادلہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

احیائے علوم اور تہذیب نو نے عموماً مذہب اور خصوصاً عیسائیت کو جو چیلنج دیا تھا، اس کے نتیجہ میں عیسائی پادریوں میں مقابلے اور مدافعت کا ایک نیا جوش پیدا ہونے کے علاوہ انہیں عیسائیت کے لئے نئی منڈیوں کی بھی تلاش تھی اور نوآبادیات سے بہتر انہیں کوئی جگہ اس غرض کو پورا کرنے کے لئے نظر نہ آتی تھی۔ انگریزی حکومت کا سورج نصف النہار پر تھا اور حکومت کے مذہب کو جو نفسیاتی برتری حاصل ہوتی رہی ہے وہ پوری شان کے ساتھ عیسائیت کو ہندوستان میں حاصل تھی نیز اس مذہب کو اختیار کرنے کے نتیجہ میں جو اقتصادی اور اقتداری فوائد حاصل ہوسکتے تھے ان کی تصویر بہت دلرُبا تھی۔ لہذا زمین ہندوستان عیسائیت کے پھیلاؤ کے لئے خاص کشمکش کا موجب بنی۔

ہندوستان میں مسلمانوں کے سیاسی اقتدار کا خاتمہ ہندومت کے لئے خوش آئند خوابوں کا تحفہ لے کر آیا اور انہوں نے ازسرنو مہاراشٹر کے قیام کا تصور اپنے ذہنوں میں اُجاگر کرنا شروع کیا اور اس کے لئے شدھی کے ذریعہ غیر قوموں کو ہندومت میں جذب کرنے کا تصور بھی پیدا ہورہا تھا۔

اس کے مقابل پر مسلمان غیر منظم اور منتشر تھے۔ اسلامی مدارس کا نظامِ تعلیم صدیوں پرانا اور نئے علوم اور سائنسی انکشافات کی ہوا سے بھی کوسوں دور تھا۔ یہ مدارس ایسے علماء تیار کر رہے تھے جن کو اپنے مذہب کے سوا کسی دوسرے سے سروکار نہ تھا۔ جن کو غیر مذاہب کی تعلیمات اور کتب مقدسہ سے ٹھوس واقفیت نہ تھی۔ ظاہر ہے ایسی صورت میں جارحانہ جنگ تو دور کی بات ہے مدافعانہ جنگ کے لئے بھی ہتھیار میسر نہ تھے۔

مسلمانوں کے مذہبی عقائد بھی بڑی بھیانک شکل اختیار کر چکے تھے۔ ان کے نزدیک حضرت عیسیٰؑ زندہ آسمان پر تھے جبکہ حضور ﷺ مدینے میں مدفون تھے، مسیح ناصری نے اصلاح امت کے لئے آنا تھا اور اس کے دو کام مقرر تھے۔

(۱) دنیا بھر کی صلیبوں کو خواہ وہ لکڑی کی ہوں خواہ لوہے کی، پیتل تانبے کی ہوں یا سونے چاندی کی، توڑ دینا۔ یہاں تک کہ روئے زمین پر کوئی صلیب دیکھنے کو بھی نظر نہ آئے۔

(۲) تمام دنیا کے سؤروں کا قتل عام اور سطح زمین کو اس خبیث جانور کے وجود سے پاک کرنا۔

اجمیر شریف کی جامع مسجد کے خطیب عمادالدین جیسے لوگ پادری عمادالدین بن رہے تھے۔ اُدھر ہندو اسلام کو

مٹانے کے ناپاک منصوبے بنائے بیٹھے تھے۔ یورپ کے فلسفی ایک طرف اسلام پر طعنہ زن تھے تو دوسری طرف علوم جدیدہ اسلام کے خلاف محاذ آراء۔ اسلام بے یارومددگار تھا اور اس کی حالت کو مولانا الطاف حسین حالی کے الفاظ یوں بیان کرتے ہیں۔

اے خاصۂ خاصانِ رُسل وقتِ دعا ہے
امت پہ تیری آ کے عجب وقت پڑا ہے

جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے
پردیس میں وہ آج، غریب الغرباء ہے

وہ دین ہوئی بزمِ جہاں جس سے چراغاں
اب اس کی مجالس میں نہ بتی نہ دِیا ہے

یہ حالت متقاضی تھی کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی انتظام ہوتا، کوئی ایسا نشان دکھایا جاتا جو دین حق کی اس ڈوبتی ناؤ کو بچا سکتا تھا چنانچہ اس وقت خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مبعوث کیا اور ان کے ذریعے ایک عظیم الشان بیٹے کی خوشخبری دی تا وہ صداقت دین حق پر ایک زندہ نشان ہو۔

اسی طرح انبیائے سابقہ کی اس سلسلہ میں پہلے سے پیشگوئیاں چلی آرہی تھیں۔ مثلاً یہود کی کتاب طالمود میں یہ پیش گوئی مذکور ہے:-

"It is also said that he (the Messiah) shall die, and his kingdom descend to his son and grandson".

یعنی اس کے بعد مسیح موعود وفات پائیں گے اور ان کے بعد ان کے ایک بیٹے اور پوتے آسمانی بادشاہت کے وارث ہوں گے۔ (طالمود۔ مرتبہ: جوزف برکلے باب پنجم مطبوعہ لندن ۱۸۷۸ء، بحوالہ موعود اقوام عالم مرتبہ عبدالرحمٰن مبشر۔ صفحہ ۱۲۸ بار اوّل)

اسی طرح آنحضرت ﷺ کی یہ پیشگوئی موجود تھی کہ

يَتَزَوَّجُ وَيُوْلَدُلَهٗ (مشکوۃ باب نزول عیسیٰ علیہ السلام)

کہ مسیح موعود شادی کریں گے اور انہیں ایک عظیم الشان بیٹا دیا جائیگا۔

حضرت سید احمد بریلوی شہید کے ایک خاص رفیق حضرت شاہ اسماعیل شہید کی کتاب "الاربعین فی احوال المھدیین" کے مطابق حضرت شاہ نعمت اللہ ولی کی یہ پیشگوئی یوں درج ہے۔

دورِ اُو چوں شود تمام بکام
پسرش یادگار می بینم

یعنی مسیح موعودؑ کے بعد ان کا بیٹا ان کی یادگار ہوگا۔

اس کے علاوہ حدیث شریف میں مذکور ہے کہ جب سورۃ جمعہ کی آیت وَآخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْابِهِمْ کا نزول ہوا تو صحابہ کرام رضوان اللہ نے حضورؐ سے استفسار کیا کہ یارسول اللہؐ! یہ کونسی دوسری قوم ہے جس میں آپ دوبارہ (بروزی طور پر) تشریف لائیں گے تو حضورؐ نے حضرت سلمان فارسیؓ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ "اگر ایمان ثریا پر بھی معلّق ہوگیا تو ان لوگوں میں سے ایک مرد کامل اسے واپس لے آئے گا"۔

ایک روایت رَجُــلٌ کا ذکر کرتی ہے اور ایک دوسری روایت میں رِجَــالٌ کا لفظ ہے یعنی ایمان کو ثریا سے واپس لانے والے کئی مرد ہوں گے جو فارسی النسل ہوں گے۔ اس سے حضرت مسیح موعودؑ اور آپ کے بعد آپ کے بیٹے اور پوتے کی عظیم الشان خلافتوں کا اشارہ ملتا ہے۔

مارچ ۱۸۸۵ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک اشتہار شائع فرمایا جس میں (دین حق) کی نشاۃ ثانیہ کے لئے اپنے ماموراور مثیل مسیح ناصریؑ ہونے کا تذکرہ تھا۔

چنانچہ مارچ ۱۸۸۵ء میں ماموریت اور مجددیت کے دعوے کے ساتھ ہی حضرت مسیح موعودؑ نے مذاہب عالم کے سربرآوردہ لیڈروں اور مقتدر رہنماؤں کو الٰہی بشارتوں کے تحت نشان نمائی کی عالمگیر دعوت دی کہ اگر وہ طالب صادق بن کر آپ کے یہاں ایک سال تک قیام کریں تو وہ ضرور اپنی آنکھوں سے دین (حق) کی حقانیت کے چمکتے ہوئے نشان مشاہدہ کرلیں گے اور اگر ایک سال رہ کر بھی وہ آسمانی نشان سے محروم رہیں تو انہیں دوسو روپیہ ماہوار کے حساب سے 24 سو روپیہ بطور ہرجانہ یا جرمانہ پیش کیا جائے گا۔

اس مقصد کے لئے حضور نے 20 ہزار کی تعداد میں اردو اور انگریزی اشتہارات چھپوا کر ایشیاء، یورپ اور امریکہ کے تمام بڑے بڑے مذہبی لیڈروں، فرمانرواؤں، مہاراجوں، عالموں، مدیروں اور نوابوں کو باقاعدہ رجسٹری کر کے بھیجے۔ اس زمانے میں آپ نے کوئی ایسی نامور شخصیت نہیں چھوڑی جس تک خدائی آواز نہ پہنچائی گئی ہو۔

اس دعوت کے نتیجے میں جن لوگوں نے قادیان کی روحانی تجربہ گاہ سے آزمائش پر بظاہر رضامندی ظاہر کی وہ تین افراد منشی اندرمن مرادآبادی، پادری سوفٹ (Soft) اور پنڈت لیکھرام تھے لیکن یہ تینوں اشخاص بعد میں رکیک شرطیں پیش کر کے اس آمادگی سے فرار حاصل کر گئے اور یوں کھل گیا کہ ان کی آمادگی بھی محض نمائش اور فریب تھی۔

جب حضرت مسیح موعودؑ کی اس نشان نمائی کی دعوت پر کسی کو میدان مقابلہ میں آنے کی ہمت و جرأت نصیب نہ ہوئی۔ تب حضرت مسیح موعودؑ نے اتمام حجت کے لئے ستمبر ۱۸۸۶ء میں سال کی شرط اڑا کر اس کی بجائے ۴۰ روز مقرر کردیئے اور بالخصوص منشی جیون داس، لالہ مرلیدھر ڈرائنگ ماسٹر، منشی اندرمن مرادآبادی، مسٹر عبداللہ آتھم، پادری عمادالدین اور پادری ٹھاکرداس کو ایک بار پھر دعوت دی اور فرمایا کہ اس ۴۰ روز کے عرصہ میں اگر ہم کوئی خارق عادت پیشگوئی پیش نہ کریں یا پیش کریں مگر بوقت ظہور وہ جھوٹی نکلے یا وہ اس کا مقابلہ کر کے دکھادیں تو مبلغ ۵۰۰ روپیہ نقد بلاتوقف پیش کریں گے۔ لیکن اگر پیشگوئی بپایہ صداقت پہنچ گئی تو مشرف بہ (دین حق) ہونا پڑے گا۔ مگر کسی کو مقابل پر آنے کی جرأت نہ ہوئی۔

یہ تو بیرونی دنیا کا ذکر ہے خود قادیان میں اس کی بازگشت ایک لحاظ سے خوشگوار رنگ میں سنائی دی اور وہ اس طرح کہ غالباً اگست ۱۸۸۵ء میں قادیان کے دس ہندوؤں نے جن میں ساہوکار بھی شامل تھے۔ انہوں نے حضرت صاحب کی خدمت میں باادب درخواست پیش کی کہ ہم آپ کے ہمسائے، لنڈن اور امریکہ والوں سے زیادہ آسمانی نشان دیکھنے کے حقدار اور مشتاق ہیں۔ ہمیں کوئی نشان دکھایا جائے۔ سعادت ازلی تو خدا کی توفیق اور فضل سے عطا ہوتی ہے۔ اس لئے مسلمان ہونے کی شرط تو ہم سے موقوف رکھی جائے البتہ ہم پرمیشر کی قسم کھا کر وعدہ کرتے ہیں کہ ہم جو نشان بچشم خود مشاہدہ کرلیں گے اخبارات میں بطور گواہ چھپوادیں گے اور آپ کی صداقت کی حقیقت کو حتی الوسع اپنی قوم میں پھیلائیں گے اور ایک سال تک عندالضرورت آپ کے مکان پر حاضر ہو کر ہر قسم کی پیشگوئی پر بقید تاریخ دستخط کریں گے اور کوئی نامنصفانہ حرکت ہم سے ظہور میں نہیں آئے گی اور چونکہ درخواست کے لفظ لفظ سے سراسر انصاف و حق پرستی اور خلوص ٹپکتا تھا اس لئے حضور نے نہایت درجہ مسرت کا اظہار کرتے ہوئے اسے بلاتامل قبول فرمالیا اور ایک باقاعدہ تحریری معاہدے کی شکل میں شرمپت رائے ممبر

آریہ سماج قادیان نے اسے شائع کردیا اور ستمبر ۱۸۸۶ء تک اس کی میعاد قرار پائی۔

۱۸۸۶ء وہ سال ہے جس میں حضرت مسیح موعودؑ کو ایک عظیم الشان بیٹے کی پیشگوئی عطا کی گئی۔ یہ پیشگوئی گو اپنی تفصیلات کے اعتبار سے پہلی مرتبہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر منکشف ہوئی مگر اپنی اصولی شکل میں وہ ہزاروں سال سے موجود تھی۔

ان قدیم نوشتوں کو پورا کرنے کے لئے خود خدا تعالیٰ کی طرف سے حضرت مسیح موعودؑ کے دل میں قادیان سے باہر چلہ کشی کرنے کی تحریک اٹھی اور حضور کو الہاماً بتایا گیا کہ آپ کی عقدہ کشائی ہوشیار پور میں ہوگی۔ سو حضور بہلی میں بیٹھ کر دریائے بیاس کے راستے ۲۲ جنوری ۱۸۸۶ء کو ہوشیار پور تشریف لے گئے اور چلہ کشی کے نتیجہ میں آپ کو مصلح موعود اور جماعت کے شاندار مستقبل کے متعلق بھاری بشارات عطا کی گئیں۔ حضرت مولوی عبداللہ سنوری صاحب بیان کرتے ہیں۔

جب حضور جنوری ۱۸۸۶ء میں ہوشیار پور جانے لگے تو مجھے خط لکھ کر قادیان بلایا اور شیخ مہر علی صاحب رئیس ہوشیار پور کو خط میں لکھا کہ میں دو ماہ کے واسطے ہوشیار پور میں آنا چاہتا ہوں کسی ایسے مکان کا انتظام کر دیں جو شہر کے ایک کنارے پر ہو اور اس میں بالا خانہ بھی ہو۔ شیخ مہر علی صاحب نے اپنا ایک مکان جو ”طویلے“ کے نام سے سے مشہور تھا خالی کروالیا۔

حضور بہلی پر بیٹھ کر دریائے بیاس کے راستہ تشریف لے گئے۔ حضرت مولوی عبداللہ سنوری صاحب، فتح خان صاحب اور حضرت شیخ حامد علی صاحب ساتھ تھے۔ ہوشیار پور جا کر دوسرے دن حضور اس میں منتقل ہو گئے۔ فتح خان صاحب کے سپرد بازار سے سودا سلف لانا، حضرت شیخ حامد علی صاحب کے ذمہ گھر کا بالائی کام اور آنے جانے والے مہمانوں کی مہمان نوازی اور حضرت مولوی عبداللہ سنوری صاحب کے ذمہ کھانا پکانا ٹھہرا۔

اس کے بعد حضورؑ نے بذریعہ دستی اشتہارات اعلان کر دیا کہ چالیس دن تک مجھے کوئی صاحب ملنے نہ آئیں اور نہ کوئی صاحب مجھے دعوت کے لئے بلائیں۔

ان چالیس دنوں کے گزرنے کے بعد میں یہاں بیس دن اور ٹھہروں گا۔ ان بیس دنوں میں ملنے والے ملیں، دعوت کا ارادہ رکھنے والے دعوت کر سکتے ہیں اور حضرت صاحب نے اپنے تینوں خدام کو حکم دیا کہ ڈیوڑھی کے اندر زنجیر ہر وقت لگی رہے اور گھر میں بھی کوئی شخص مجھے نہ بلائے۔ میں اگر کسی کو بلاؤں تو وہ اسی حد تک میری بات کا جواب دے جس حد تک ضروری ہے اور نہ اوپر بالا خانہ میں کوئی میرے پاس آئے۔ میرا کھانا اوپر بالا خانہ میں پہنچا دیا جاوے۔ مگر اس بات کا انتظار نہ کیا جاوے کہ میں کھانا کھالوں۔ خالی برتن پھر دوسرے وقت لے جایا کریں۔ نماز میں اوپر الگ پڑھوں گا تم نیچے پڑھ لیا کرو۔ جمعہ کے لئے حضرت صاحب نے فرمایا کوئی ویران سی (بیت الذکر) تلاش کرو جو شہر کے ایک طرف ہو جہاں ہم علیحدگی میں نماز جمعہ ادا کر سکیں۔

آپ نے چالیس روز کے بعد اس چلہ کے اختتام پر بذریعہ اشتہار یہ اعلان فرمایا کہ جو کچھ میں نے خدا سے مانگا تھا وہ اس نے اپنی بے پایاں رحمت اور کمال شفقت کے نتیجہ میں مجھے عطا فرمانے کا وعدہ فرمایا ہے اور ایک ایسے متصف بہ صفات حسنہ ذی شان بیٹے کی ولادت کی خوشخبری دی ہے جو اپنی غیر معمولی صفات اور عظیم الشان خدمت دین حق کے

ذریعہ زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا۔

چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ نے نشان کی طالب دنیا کو بتایا کہ خدا تعالیٰ نے مجھے خبر دی ہے:۔

''میں تجھے ایک رحمت کا نشان دیتا ہوں اُسی کے موافق جو تُو نے مجھ سے مانگا۔ سو میں نے تیری تضرعات کو سنا اور تیری دعاؤں کو اپنی رحمت سے بہ پایۂ قبولیت جگہ دی اور تیرے سفر کو (جو ہوشیار پور اور لدھیانہ کا سفر ہے) تیرے لئے مبارک کر دیا سو قدرت اور رحمت اور قربت کا نشان تجھے دیا جاتا ہے۔ فضل اور احسان کا نشان تجھے عطا ہوتا ہے اور فتح اور ظفر کی کلید تجھے ملتی ہے''۔

چنانچہ پاکیزہ صفات کا حامل یہ بیٹا ۱۲ جنوری ۱۸۸۹ء کو جمعہ اور ہفتہ کی درمیانی رات قادیان میں پیدا ہوا اور اس کا نام بشیرالدین محمود احمد رکھا گیا۔ 'سراج منیر' میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس بیٹے کے بارے میں فرمایا:۔

''پانچویں پیشگوئی میں نے اپنے لڑکے محمود کی پیدائش کی نسبت کی تھی کہ وہ اب پیدا ہوگا اور اس کا نام محمود رکھا جائے گا اور اس پیشگوئی کی اشاعت کے لئے سبز ورق کے اشتہار شائع کئے گئے تھے جو اب تک موجود ہیں اور ہزاروں میں تقسیم ہوئے تھے۔ چنانچہ وہ لڑکا پیشگوئی کی معیاد میں پیدا ہوا اور اب نویں سال میں ہے''۔

(سراج منیر۔ روحانی خزائن جلد ۱۲ صفحہ ۳۷)

☆☆☆

تِرا حرف حرفِ اِمام تھا

مجھے کیا خبر کہ وہ ذِکر تھا، وہ نماز تھی کہ سلام تھا
مِرا اشک اشک تھا مُقتدی، تِرا حرف حرفِ اِمام تھا

ترے رُخ کا تھا وہی طنطنہ، مِری دِید کا وہی بانکپن
کہ بس ایک عالَمِ کیف تھا، نہ سجود تھا نہ قیام تھا

میں وَرائے جسم تری تلاش میں تھا مگن، مجھے کیا خبر
کہ ہر ایک ریزۂ تن میں بھی تری جلوتوں کا نظام تھا

مجھے رَت جگوں کی صلیب پر زرِ خواب جس نے عطا کیا
وہی سحر، سحر مبین تھا، وہی حرف، حرفِ دوام تھا

مجھے عرش و فرش کی کیا خبر، مجھے تُو ملا تھا جہاں جہاں
وہی آسماں تھی مری زمیں، وہی فرش عرش مقام تھا

مری دَسترس میں جو آ گیا، ترے حسن کا کوئی زاویہ
وہی سلطنت مرے حرف کی، وہی تاجدارِ کلام تھا

ترے کنجِ لب سے رواں دواں، وہ جو ایک سیل حروف تھا
اسے لہر لہر سمیٹنا اُسی کملی والےؐ کا کام تھا

(مکرم رشید قیصرانی صاحب)

محترم شیخ محبوب عالم خالد صاحب صدر، صدر انجمن احمدیہ وفات پا گئے

آپ مجلس خدام الاحمدیہ کے بانی رکن تھے

نہایت افسوس کے ساتھ اطلاع دی جاتی ہے کہ جماعت کے دیرینہ خادم محترم شیخ محبوب عالم خالد صاحب مورخہ 12 جنوری 2004ء بروز سوموار فضل عمر ہسپتال ربوہ میں وفات پا گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

محترم شیخ محبوب عالم خالد صاحب مورخہ 13 اپریل 1909ء کو نکودر، ضلع جالندھر میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد محترم خان صاحب فرزند علی خان صاحب جماعت کے معروف خادم دین تھے۔ آپ نے 1921ء کو مدرسہ احمدیہ قادیان میں داخلہ لیا۔ 1931ء میں مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ 1936ء میں گورنمنٹ کالج لاہور سے بی اے آنرز کیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نور اللہ مرقدہ کے حکم سے یکم جون 1936ء سے جماعتی خدمات کا آغاز کیا اور وفات تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ 1936ء میں مدرسۃ البنات اور 1937ء میں جامعہ احمدیہ میں تقرر ہوا۔ اس دوران آپ نے بی ٹی اور ایم۔اے عربی اور اردو بھی کر لیا۔ 1941ء میں تعلیم الاسلام ہائی سکول میں تقرری ہوگئی وہاں سے 1946ء میں تعلیم الاسلام کالج میں منتقل ہو گئے۔ 1941ء میں ٹی آئی ہائی سکول میں جب آپ آٹھویں کلاس کو انگریزی پڑھایا کرتے تھے تو حضرت مرزا طاہر احمد صاحب (خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ) کو بھی انگریزی پڑھانے کی سعادت حاصل ہوئی۔ 1946ء تا اپریل 1969ء ٹی آئی کالج میں پڑھاتے رہے۔ 30 اپریل 1969ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ نے آپ کو ناظر مقرر فرمایا۔ تب سے وفات تک 35 سال کا عرصہ آپ نے صدر انجمن احمدیہ میں خدمات سرانجام دیں۔ اس دوران ناظر ہونے کے ساتھ ساتھ آپ کو 6 سال آٹھ ماہ تک حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کا پرائیویٹ سیکرٹری ہونے کی سعادت بھی حاصل ہوئی۔

آپ مجلس خدام الاحمدیہ کے بانی رکن تھے اور پہلے جنرل سیکرٹری منتخب ہوئے اور اس کے بعد خدام الاحمدیہ کے مختلف شعبوں میں خدمت کرنے کا موقع ملا۔ آپ قریباً 12 سال تک مجلس انصار اللہ مرکزیہ کے قائد عمومی رہے اور اب مجلس کے اعزازی رکن تھے۔ آپ مورخہ یکم مئی 1969ء کو ناظر مال آمد مقرر ہوئے اور اس شعبہ میں 33 سال تک کام کرنے کی توفیق حاصل ملی۔ 2 مئی 2002ء سے حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ نے صدر، صدر انجمن احمدیہ پاکستان کے عہدہ پر فائز فرمایا۔

آپ کی نماز جنازہ اسی روز بیت المبارک ربوہ میں بعد نماز عصر مکرم و محترم صاحبزادہ مرزا خورشید احمد صاحب ناظر اعلیٰ و امیر مقامی نے پڑھائی۔ ربوہ اور گردونواح کے شہروں سے کثیر تعداد میں احباب جماعت نے جنازے میں شرکت کی۔ تدفین کے لئے جنازہ بہشتی مقبرہ لے جایا گیا اور قطعہ خاص میں آپ کو دفن کیا گیا۔ تدفین کے بعد محترم صاحبزادہ صاحب نے دعا کروائی۔ اللہ تعالیٰ اس مخلص خادم سلسلہ کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔ ادارہ ''خالد'' آپ کے تمام خاندان سے اظہار افسوس کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جملہ لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

چاند ــــ میرا چاند

(حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نوراللہ مرقدہ کے قلم سے)

''سمندر کے کنارے چاند کی سیر نہایت پُرلطف ہوتی ہے۔اس سفر کراچی میں ایک دن ہم رات کو کلفٹن کی سیر کے لئے گئے۔میری چھوٹی بیوی صدیقہ بیگم سلمہا اللہ تعالیٰ، میری تینوں لڑکیاں ناصرہ بیگم سلمہا اللہ تعالیٰ، امۃ الرشید بیگم سلمہا اللہ تعالیٰ، امۃ العزیز سلمہا اللہ تعالیٰ، امۃ الودود مرحومہ اور عزیزم منصور احمد سلمہ اللہ تعالیٰ میرے ساتھ تھے۔رات کے گیارہ بجے چاند سمندر کی لہروں میں ہلتا ہوا بہت ہی بھلا معلوم دیتا تھا اور اوپر آسمان پر وہ اور بھی اچھا معلوم دیتا تھا۔جوں جوں ریت کے ہموار کنارے پر ہم پھرتے تھے، لطف بڑھتا جاتا تھا اور اللہ تعالیٰ کی قدرت نظر آتی تھی۔تھوڑی دیر اِدھر اُدھر ٹہلنے کے بعد ناصرہ بیگم سلمہا اللہ تعالیٰ اور صدیقہ بیگم جن دونوں کی طبیعت خراب تھی تھک کر ایک طرف ان چٹائیوں پر بیٹھ گئیں جو ہم ساتھ لے گئے تھے۔ان کے ساتھ عزیزم منصور احمد سلمہ اللہ تعالیٰ بھی جا کھڑے ہوئے اور پھر عزیزہ امۃ العزیز سلمہا اللہ تعالیٰ بھی وہاں چلی گئی۔اب صرف مَیں عزیزہ امۃ الرشید بیگم سلمہا اللہ تعالیٰ اور عزیزہ امۃ الودود مرحومہ پانی کے کنارے پر کھڑے رہ گئے۔میری نظر ایک بار پھر آسمان کی طرف اٹھی اور میں نے چاند کو دیکھا جو رات کی تاریکی میں عجیب انداز سے اپنی چمک دکھا رہا تھا۔اس وقت قریباً پچاس سال پہلے کی ایک رات میری آنکھوں میں پھر گئی۔جب ایک عارف باللہ محبوب ربانی نے چاند کو دیکھ کر ایک سرد آہ کھینچی تھی اور پھر اس کی یاد میں دوسرے دن دُنیا کو یہ پیغام سنایا تھا۔

چاند کو کل دیکھ کر میں سخت بیکل ہوگیا
کیونکہ کچھ کچھ تھا نشاں اس میں جمالِ یار کا

پہلے تو تھوڑی دیر مَیں یہ شعر پڑھتا رہا پھر میں نے چاند کو مخاطب کر کے اسی جمال یار والے محبوب کی یاد میں کچھ شعر خود کہے جو یہ ہیں ۔

یوں اندھیری رات میں اے چاند تو چمکا نہ کر
حشر اک سیمیں بدن کی یاد میں برپا نہ کر
کیا لبِ دریا مری بے تابیاں کافی نہیں
تو جگر کو چاک کر کے اپنے یوں تڑپا نہ کر

اس کے بعد میری توجہ براہ راست اس محبوب حقیقی کی طرف پھر گئی جس کے حسن کی طرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے شعر میں اشارہ کیا گیا ہے اور میں نے اسے مخاطب کر کے چند شعر کہے جو یہ ہیں ۔

دُور رہنا اپنے عاشق سے نہیں دیتا ہے زیب
آسماں پر بیٹھ کر تو یوں مجھے دیکھا نہ کر

بے شک چاند میں سے کسی وقت اللہ تعالیٰ کا حُسن نظر آتا ہے۔مگر ایک عاشق کے لئے وہ کافی نہیں۔وہ چاہتا ہے کہ اس کا محبوب چاند میں سے اسے نہ جھانکے بلکہ اس کے دل میں آئے، اس کے عرفان کی آنکھوں کے سامنے قریب سے جلوہ دکھائے، اس کے زخمی دل پر مرہم لگائے اور اس کے دُکھ کی دوا خود ہی بن جائے کہ اس دوا کے سوا اس کا کوئی علاج نہیں مگر کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ اس محبوب حقیقی کا عاشق چاند میں بھی اس کا جلوہ نہیں دیکھتا۔چاند میں ایک پھیکی ٹکیہ سے زیادہ کچھ بھی تو نظر نہیں آتا۔یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس محبوب نے اپنا چہرہ اس سے بھی چھپا رکھا ہے کہ کہیں اس میں سے

اس کا عاشق اس کا چہرہ نہ دیکھ لے اور وہ کہتا ہے کہ کاش چاند کے پردہ پر ہی اس کا عکس نظر آ جائے اور میں نے کہا۔

عکس تیرا چاند میں گر دیکھ لوں کیا عیب ہے
اِس طرح تو چاند سے اے میری جاں! پردا نہ کر

پھر میری نظر سمندر کی لہروں پر پڑی جن میں چاند کا عکس نظر آتا تھا اور میں اس کے قریب ہوا اور چاند کا عکس اور پَرے ہو گیا۔ مَیں اور بڑھا اور عکس اَور دور ہو گیا اور میرے دل میں ایک درد اُٹھا اور میں نے کہا۔ بالکل اسی طرح کبھی سالک سے سلوک ہوتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کے لئے کوشش کرتا ہے مگر بظاہر اس کی کوششیں ناکامی کا منہ دیکھتی ہیں۔ اس کی عبادتیں، اس کی قربانیاں، اس کا ذکر، اس کی آہیں، کوئی نتیجہ پیدا نہیں کرتیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کے استقلال کا امتحان لیتا ہے اور سالک اپنی کوششوں کو بے اثر پاتا ہے۔ کئی تھوڑے دل والے مایوس ہو جاتے ہیں اور کئی ہمت والے کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کی مراد پوری ہو جاتی ہے مگر یہ دن بڑے ابتلاء کے دن ہوتے ہیں اور سالک کا دل ہر لحظہ مرجھایا رہتا ہے اور اس کا حوصلہ پست ہو جاتا ہے چونکہ چاند کے عکس کا اس طرح آگے آگے دوڑتے چلے جانے کا بہترین نظارہ کشتی میں بیٹھ کر نظر آتا ہے جو میلوں کا فاصلہ طے کرتی جاتی ہے مگر چاند کا عکس آگے ہی آگے بھاگا چلا جاتا ہے۔ اس لئے میں نے کہا ۔

بیٹھ کر جب عشق کی کشتی میں آؤں تیرے پاس
آگے آگے چاند کی مانند تو بھاگا نہ کر

میں نے اس شعر کا مفہوم دونوں بچیوں کو سمجھانے کے لئے ان سے کہا کہ آؤ ذرا میرے ساتھ سمندر کے پانی میں چلو اور میں انہیں لے کر کوئی پچاس ساٹھ گز سمندر کے پانی میں گیا اور میں نے کہا دیکھو چاند کا عکس کس طرح آگے آگے بھاگا جاتا ہے۔ اسی طرح کبھی کبھی بندہ کی کوششیں اللہ تعالیٰ کی ملاقات کے لئے بیکار جاتی ہیں اور وہ جتنا بڑھتا ہے، اتنا ہی اللہ تعالیٰ پیچھے ہٹ جاتا ہے اس وقت سوائے اس کے کوئی علاج نہیں ہوتا کہ انسان اللہ تعالیٰ ہی سے رحم کی درخواست کرے اور اسی کے کرم کو چاہے تا کہ وہ اس ابتلاء کے سلسلے کو بند کر دے اور اپنی ملاقات کا شرف اسے عطا کرے۔

اس کے بعد میری نظر چاند کی روشنی پر پڑی۔ کچھ اور لوگ اس وقت کہ رات کے بارہ بجے تھے سیر کے لئے سمندر پر آ گئے۔ ہوا تیز چل رہی تھی لڑکیوں کے برقعوں کی ٹوپیاں ہوا سے اڑی جا رہی تھیں اور وہ زور سے ان کو پکڑ کر اپنی جگہ پر رکھ رہی تھیں۔ وہ لوگ گو ہم سے دور تھے مگر میں لڑکیوں کو لے کر اور دور ہو گیا اور مجھے خیال آیا کہ چاند کی روشنی جہاں دلکشی کے سامان رکھتی ہے وہاں پردہ بھی اٹھا دیتی ہے اور میرا خیال اس طرف گیا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل کبھی بندہ کی کمزوریوں کو بھی ظاہر کر دیتے ہیں اور دشمن انہیں دیکھ کر ہنستا ہے اور میں نے اللہ تعالیٰ کو مخاطب کر کے کہا ۔

اے شعاعِ نور یوں ظاہر نہ کر میرے عیوب
غیر ہیں چاروں طرف ان میں مجھے رسوا نہ کر

اس کے بعد میری نظر بندوں کی طرف اٹھ گئی اور میں نے سوچا کہ محبت جو ایک نہایت پاکیزہ جذبہ ہے، اسے کس طرح بعض لوگ ضائع کر دیتے ہیں اور اس کی بے پناہ طاقت کو محبوب حقیقی کی ملاقات کے لئے خرچ کرنے کی جگہ اپنے لئے وبال جان بنا لیتے ہیں اور میں نے اپنے دوستوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ۔

ہے محبت ایک پاکیزہ امانت اے عزیز
عشق کی عزت ہے واجب عشق سے کھیلا نہ کر

پھر میری نگاہ سمندر کی لہروں کی طرف اٹھی جو چاند کی

روشنی میں پہاڑوں کی طرح اٹھتی ہوئی نظر آتی تھیں اور میری نظر سمندر کے اس پار ان لوگوں کی طرف اٹھی جو فرانس کے میدان میں ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں ہر روز اپنی جانیں دے رہے تھے اور میں نے خیال کیا کہ ایک وہ بہادر ہیں جو اپنے ملکوں کی عزت کے لئے یہ قربانیاں کر رہے ہیں۔ ایک ہندوستانی ہیں جن کو اپنی تن آسانیوں سے فرصت نہیں اور مجھے اپنی مستورات کا خیال آیا کہ وہ کس طرح قوم کا بے کار عضو بن رہی ہیں اور حقیقی کوشش اور سعی سے محروم ہو چکی ہیں۔ کاش کہ ہمارے مردوں اور عورتوں میں بھی جوش عمل پیدا ہو اور انہیں یہ احساس ہو کہ آخر وہ بھی تو انسان ہیں جو سمندر کی لہروں پر کودتے پھرتے ہیں اور اپنی قوم کی ترقی کے لئے جانیں دے رہے ہیں جو میدانوں کو اپنے خون سے رنگ رہے ہیں اور ذرا بھی پروا نہیں کرتے کہ ہمارے مرجانے سے ہمارے پسماندگان کا کیا حال ہو گیا اور میں نے کہا ؎

ہے عمل میں کامیابی موت میں ہے زندگی
جا لپٹ جا لہر سے دریا کی کچھ پروا نہ کر

جب میں نے یہ شعر پڑھا۔ میری لڑکی امۃ الرشید نے کہا ابا جان دیکھیں آپا دودی کو کیا ہو گیا ہے۔ میں نے کہا کیا ہوا ہے۔ اس نے کہا اس کا جسم تھر تھر کانپنے لگ گیا ہے۔ میں نے پوچھا دودی تم کو کیا ہوا ہے۔ اس نے جیسے بچیاں کہا کرتی ہیں کہا کچھ نہیں اور ہم سمندر کے پانی کے پاس سے ہٹ کر باقی ساتھیوں کے پاس آ گئے اور وہاں سے گھر کو واپس چل پڑے۔

امۃ الودود کی وفات کے بعد میں یہی شعر پڑھ رہا تھا کہ صدیقہ بیگم نے مجھے بتایا کہ امۃ الودود نے مجھ سے ذکر کیا کہ شاید چچا ابا نے یہ شعر میرے متعلق کہا تھا۔ تب میں نے مرحومہ کے کانپنے کی وجہ کو سمجھ لیا۔ وہ امتحان دے چکی تھی اور تعلیم کا زمانہ ختم ہونے کے بعد اس کے عمل کا زمانہ شروع ہوتا تھا۔ اس کی نیک فطرت نے اس شعر سے سمجھ لیا کہ میں اسے کہہ رہا ہوں کہ اب تم کو عملی زندگی میں قدم رکھنا چاہیے اور ہر طرح کے خطرات برداشت کر کے (دین حق) کے لئے کچھ کر کے دکھانا چاہیے۔

خدا کی قدرت عمل میں کامیابی کا مونہہ دیکھنا اس کے مقدر میں نہ تھا۔ موت میں زندگی اللہ تعالیٰ نے اسے دے دی۔ وہ قادر ہے جس طرح چاہے اسے زندگی بخش دیتا ہے ؎

ہے عمل میں کامیابی موت میں ہے زندگی
جا لپٹ جا لہر سے دریا کی کچھ پروا نہ کر

رسول ﷺ فرماتے ہیں اُذْکُرُوْا اَمْوَاتَکُمْ بِالْخَیْرِ اپنے مُردوں کا نیک ذکر قائم رکھو۔ اسی لئے میں نے اس واقعہ کا ذکر کر دیا ہے کہ اس سے مرحومہ کی سعید طبیعت کا اظہار ہوتا ہے۔ کس طرح اس نے اس شعر کا اپنے آپ کو مخاطب سمجھا۔ حالانکہ بہت ہیں جو نصیحت کو سنتے ہیں اور اندھوں کی طرح اس پر سے گزر جاتے ہیں اور کوئی فائدہ نہیں اٹھاتے۔

اس موقع پر ایک اور واقعہ مرحومہ کا مجھے یاد آ گیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے کس طرح نصیحت پر فوراً عمل کرنے کا احساس تھا اور میرے لفظوں پر وہ کس طرح کان رکھتی تھی۔ میں نے سفر میں دیکھا کہ عزیز منصور احمد سلمہ اللہ تعالیٰ جرمن ریڈیو کی خبریں شوق سے سنا کرتے تھے۔ مجھ پر یہ اثر ہوا کہ شاید وہ ان خبروں کو زیادہ درست اور سچا سمجھتے ہیں مجھے یہ بات کچھ بُری معلوم ہوئی۔ میری بیوی اور لڑکیاں ایک کمرہ میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ میں وہاں آیا اور میں نے افسوس کا اظہار کیا کہ حقیقت تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ کون ظالم ہے اور کون مظلوم مگر اس وقت تک جو ہمارا علم ہے وہ یہی ہے کہ انگریزوں کی کامیابی میں دنیا کی بھلائی ہے۔ پس جب تک ہمارا علم یہ کہتا ہے ہمیں ان سے ہمدردی ہونی چاہیے اور ان کی

تکلیف سے تکلیف اور ان کی کامیابی سے خوشی ہونی چاہیے۔ پھر نہ معلوم ہمارے بچے کیوں خوشی سے جرمن خبروں کی طرف دوڑتے ہیں۔ میں بات کر رہا تھا کہ امۃ الودود مرحومہ وہاں سے اٹھ کر چلی گئیں۔ مجھے حیرت ہوئی کہ بات کے درمیان میں یہ کیوں اٹھ گئیں اور مجھے خیال ہوا کہ شاید اپنے بھائی کے متعلق بات سن کر وہ برداشت نہیں کر سکیں۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد وہ واپس آئیں اور کہا کہ میں نے بھائی سے کہا ہے کہ جب چچا ابا اس امر کو پسند نہیں کرتے تو آپ کیوں اس طرح خبریں سنتے ہیں۔ بھائی نے جواب دیا کہ اگر وہ منع کریں تو میں کبھی یہ بات نہ کروں۔ میں نے کہا بی بی منع کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ میرے خیال کا اظہار کیا کافی نہیں۔ اس پر اس نے کہا کہ میں نے بھائی سے یہی کہا ہے کہ منع کرنے کا کیوں انتظار کرتے ہو۔ ان کی مرضی معلوم ہونے پر وہی کرو جس طرح وہ کہتے ہیں (اس کے یہ معنی نہیں کہ عزیزم منصور احمد اطاعت میں کمزور ہے۔ ایسے امور میں لڑکیاں لڑکوں سے طبعاً زیادہ ذکی ہوتی ہیں ورنہ عزیز کا معاملہ میری لڑکی سے ایسا عمدہ ہے کہ میرا دل اس سے نہایت خوش ہے اور کبھی بھی وہ میری لڑکی کے ذریعہ میرے لئے تکلیف کا باعث نہیں ہوا۔ بلکہ ہمیشہ میرا دل ان دونوں کے معاملہ پر مطمئن رہا ہے اور یہ کوئی معمولی نیکی نہیں بلکہ اعلیٰ اخلاق سے ہی ایسے عمل کی توفیق ملتی ہے۔) میرے دل میں یہ سن کر اپنی اس بچی کی قدر کئی گنے بڑھ گئی کہ کس طرح اس نے میری بات سن کر فوراً میرے منشاء کو پورا کرنے کی کوشش کی اور بات ختم ہونے سے بھی پہلے اس پر عمل کروانے کے لئے دوڑ گئی۔ اللہ تعالیٰ کی ہزاروں رحمتیں اس پر ہوں اور اللہ تعالیٰ اس کی خوشی کے سامان ہمیشہ پیدا کرتا رہے''۔

(روزنامہ الفضل قادیان ٦ جولائی ١٩٤٠ء)

ان کہی ہی رہ گئی وہ بات سب باتوں کے بعد

ہم کہ ٹھہرے اجنبی اِتنی ملاقاتوں کے بعد
پھر بنیں گے آشنا کتنی مداراتوں کے بعد

کب نظر میں آئے گی بے داغ سبزے کی بہار
خون کے دھبے دُھلیں گے کتنی برساتوں کے بعد

تھے بہت بے درد لمحے ختمِ دردِ عشق کے
تھیں بہت بے مہر صبحیں مہرباں راتوں کے بعد

دل تو چاہا پر شکستِ دل نے مہلت ہی نہ دی
کچھ گلے شکوے بھی کر لیتے مناجاتوں کے بعد

اُن سے جو کہنے گئے تھے فیضؔ جاں صدقہ کئے
ان کہی ہی رہ گئی وہ بات سب باتوں کے بعد

(فیض احمد فیض)

ضروری اعلان

خریداران خالد/تشحیذ سے گذارش ہے کہ آپ کے رسالے کے ریپر کے اوپر خریداری نمبر کے ساتھ مدت خریداری بھی لکھی ہوتی ہے۔ آپ اپنی مدت خریداری دیکھ کر اپنا چندہ بروقت دفتر خالد و تشحیذ میں جمع کروا دیا کریں تا کہ آپ کا رسالہ جاری رکھا جا سکے نیز مضمون نگاروں سے درخواست ہے کہ وہ مضمون بھجواتے وقت اپنا مکمل ایڈریس ضرور لکھا کریں۔ (مینیجر خالد و تشحیذ)

حضرت مصلح موعود کی سیرت کا ایک ورق

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک مضمون جو کہ آپ نے نومبر 1975ء میں لکھا جبکہ آپ ناظم ارشاد وقف جدید تھے

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود کو خدمت دین کی جو والہانہ لگن تھی اس میں نماز باجماعت کے قیام کی کوشش کو ایک نمایاں مقام حاصل تھا۔ آپ کے خطبات اور فرمودات اور انتظامی اقدامات میں ہمیں بیسیوں جھلکیاں اس کوشش کی نظر آتی ہیں۔ اگرچہ شدید جماعتی مصروفیات کے باعث اپنے بچوں کی خصوصی تربیت کا ان کو بہت کم وقت میسر آتا لیکن اگر آپ کی اولاد کی بچپن کی یادوں کو چھیڑا جائے تو بلا امتیاز ایک بات جو سب کے ذہنوں میں نمایاں طور پر اُبھر کر سامنے آئے گی وہ حضور کی نماز باجماعت کی لگن ہے۔ یہ ایک ایسی کوتاہی تھی جسے آپ کبھی برداشت نہ کرتے اور اگر کبھی کوئی بچہ نماز کے وقت (بیت الذکر) سے غیر حاضر پایا جاتا تو جو اس پر گزرتی تھی وہ اس کا دل جانتا ہے۔

ایک مرتبہ تو مجھے یاد ہے کہ ہم پانچ چھ بچے کسی کھیل میں مصروف عصر کی نماز باجماعت سے محروم رہ گئے۔ حضور جب نماز پڑھا کر واپس تشریف لائے تو ہمیں کھیلتا دیکھ لیا اور سب کو اکٹھا کر کے اپنے ساتھ حضرت امی جان کے صحن میں لے گئے اور وہاں ایک صف میں بدنی سزا دینے کیلئے کھڑا کر دیا۔ گویا نماز باجماعت سے غیر حاضری کی سزا بھی باجماعت تجویز ہوئی۔ حضور کو یہ لگن بچپن ہی سے تھی اور بہت ہی چھوٹی عمر میں ہی آپ کا راتوں کو (بیت الذکر) میں پہنچ کر خدا کے حضور گریہ وزاری کرنا اور (دین حق) کی فتح کی دُعائیں مانگتے ہوئے آنسوؤں سے سجدہ گاہ کو تر کر دینا معتبر روایات سے ثابت ہے۔

جب آپ مسند خلافت پر بیٹھے اور جماعت کی دینی تربیت کی زمام ہاتھ میں لی تو اپنے عہد خلافت کے پہلے جلسہ سالانہ یعنی دسمبر 1914ء اس موضوع پر احباب جماعت سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:-

”نماز باجماعت پڑھنے میں احمدیوں کو ایک دقت ہے اور وہ یہ کہ غیر احمدیوں کے پیچھے تو وہ نماز پڑھ نہیں سکتے اور بعض جگہ احمدی صرف ایک ہی ہوتا ہے۔ اس لئے اُسے نماز باجماعت ادا کرنے کا موقع نہیں ملتا اور چونکہ نماز باجماعت ادا کرنے میں انسان کو وقت کی پابندی کرنی پڑتی ہے۔ جب نماز باجماعت نہ ملے تو رفتہ رفتہ انسان سستی کرنی شروع کر دیتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ میں نے جماعت کے ساتھ تو نماز پڑھنی ہی نہیں جس وقت چاہوں گا پڑھ لوں گا۔ اس طرح وہ وقت کی پابندی نہیں کرتا اور آخر اوّل وقت نماز پڑھنے کی عادت جاتی رہتی ہے یا جمع کر کے نماز ادا کرنے کی عادت ہو جاتی ہے اور نماز باجماعت ادا کرنے سے تو ایسا غافل ہو جاتا کہ اگر کہیں باجماعت نماز پڑھنے کا موقع مل بھی جائے تو بھی سستی کر دیتا ہے۔ گویا یہ عادت ایک مجبوری کی وجہ سے اسے پڑتی ہے۔ لیکن احمدیوں میں ہرگز ہرگز سستی نہ ہونی چاہیے۔ جس وقت سستی پیدا ہوئی اسی وقت سے اس جماعت کی تباہی کا آغاز

ہوجائے گا (نعوذ باللہ من ذالک)۔ پس جس گاؤں میں کوئی اکیلا احمدی ہے وہ کوشش کرے کہ دوسرا پیدا ہوجائے۔ مجھے امید ہے کہ اگر اس طرح کوشش کرے گا تو خداتعالیٰ ضرور اس کا ساتھی پیدا کردے گا۔ لیکن اگر دوسرا ساتھی نہ ہو تو دوسرے گاؤں میں جاکر جہاں کوئی احمدی ہو دوسرے تیسرے دن نماز باجماعت پڑھو اور سستی کی عادت نہ ڈالو۔ اگر تم اس کو بھولے تو یاد رکھو کہ پھر تم ترقی نہیں کرسکو گے۔ وہ احمدی جو بڑے بڑے شہروں میں رہتے ہیں ایک دوسرے کے مکان تک ان کا جانا مشکل ہوتا ہے ان کیلئے یہ بات نہایت مشکل ہے کہ ہر نماز کے وقت ایک جگہ جمع ہوسکیں۔ لیکن ان کو چاہیے کہ اپنے محلّہ کے احمدی مل کر باجماعت نماز پڑھا کریں اور کبھی کبھی سارے اکٹھے ہوکر بھی پڑھیں۔ سستی ہرگز نہیں ہونی چاہیے۔ یہ ایسی خطرناک بات ہے کہ اس کے نتائج بہت بُرے نکلتے ہیں۔ مجھے قرآن شریف سے یہی معلوم ہوا ہے کہ جس کو نماز باجماعت پڑھنے کا موقع ملے اور وہ نہ پڑھے تو اس کی نماز ہی نہیں ہوتی۔ حضرت ابن عباس کا بھی یہی مذہب ہے"۔

(برکات خلافت صفحہ 86 تا 88)

آیئے! ذرا ہم دیکھیں کہ متقیوں کی اس جماعت نے جو اس وقت آپ کی مخاطب تھی آپ کی نصائح کا کیا اثر قبول کیا روزنامہ الفضل اس جلسہ سالانہ کے تاثرات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:-

......جلسہ پر آنے والے لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کانوں سے سن لیا کہ انہوں نے جس ہاتھ میں ہاتھ دیا ہے وہ ایک معمولی انسان کا ہاتھ نہیں بلکہ اس اُولوالعزم انسان کا ہاتھ ہے جو مسیح کے ہاتھوں میں پلا ہوا اور نورالدین کے ہاتھوں میں تربیت پایا ہوا اور خود خدتعالیٰ کے ہاتھ سے کھڑا کیا ہوا ہے اور پھر انہوں نے یہ بھی ملاحظہ کرلیا کہ ان کا خلیفہ اگرچہ کسی قابلیت اور کسی علم کا مدعی نہیں تاہم خدا نے اُسے وہ کچھ سکھایا ہے جس کا علم فرشتوں کو بھی نہ تھا، اور وہ طرزِ بیان وفہمِ قرآن بخشا ہے جو خاصانِ خدا کا خاصّہ ہے۔

اس کے کلام میں اثر، اس کی تقریر میں لذّت اس کے احکامات میں رُعب ہے۔ اگر وہ فرماتا ہے کہ بیٹھ جانا مناسب ہے تو جھٹ کھڑے ہوئے بیٹھ جاتے ہیں۔ ...... پھر اگر وہ فرماتا ہے کہ (بیوت الذکر) میں باجماعت نماز پڑھنے کی نبی کریم ﷺ نے بہت تاکید فرمائی ہے تو اس حکم کی تعمیل میں فوراً تینوں (بیوت الذکر) بھر جاتی ہیں اور (بیت) مبارک میں تو یہ کیفیت نظر آتی ہے کہ کیا چھت اور کیا فرش کیا بازار اور کیا دکانیں اور کیا قرب وجوار کے مکانات سب کے سب دُور دُور تک خدا کے مقرر کردہ امام وخلیفہ کے مقتدیوں سے بھر جاتے ہیں۔ (ادارتی نوٹ الفضل 31 دسمبر 1914ء صفحہ 2)

آج بھی خدام کیلئے اس واقعہ میں ایک نصیحت ہے۔ خدامِ احمدیت کو آج بھی مسیح موعودؑ کے خلفاء اللہ کی اجتماعی عبادت کیلئے (بیوت الذکر) کی طرف بلا رہے ہیں۔ آج بھی (بیوت الذکر) ان کی منتظر ہیں۔ کیا آپ خدا کے گھر آباد کرنے اور تاقیامت آباد رکھنے کیلئے ہر ممکن جدوجہد نہیں کریں گے؟ یاد رکھیے (بیوت الذکر) کی آبادی ہی سے احمدیت کی آبادی وابستہ ہے اگر خدا کے گھر بارونق رہیں گے تو (دین حق) کا صحنِ چمن بارونق اور پُر بہار رہے گا۔

(ماہنامہ خالد نومبر 1975ء)

نغمۂ وفا

مکرم جمیل الرحمٰن صاحب
ہالینڈ

اے مسیحا نفس! اے مہ دلبراں!
تختِ مہدی کے وارث امام الزماں!
سیّدی! مشفقی! مرشدی! مہرباں!
ہم نے بہرِ خدا تیری بیعت جو کی
تو ہمارا ہوا، ہم ترے ہو گئے

برق روحانیت کی عجب رَو چلی
شب گزیدوں کو پھر روشنی مل گئی
قرمزی شب ہوئی، دن ہرے ہو گئے
سیّدی! مشفقی! مرشدی! مہرباں!
تو ہمارا ہوا، ہم ترے ہو گئے

تیری مسکان کی پھوار دل پر گری
گلشنِ جاں میں بادِ صبا چل پڑی
پیار میں تیرے مَن بانورے ہو گئے
سیّدی! مشفقی! مرشدی! مہرباں!
تو ہمارا ہوا، ہم ترے ہو گئے

زندگی تیرے دم سے بدلنے لگی
عشق تازہ ہوا، جاں سنبھلنے لگی
کھوٹے سکے تھے لیکن کھرے ہوگئے
سیّدی! مشفقی! مرشدی! مہرباں!
تو ہمارا ہوا، ہم ترے ہو گئے

لفظ سب ہیں پرانے، کہانی نئی
آنکھ کے پانیوں کی روانی نئی
روح کے رنگ ہی دوسرے ہو گئے
سیّدی! مشفقی! مرشدی! مہرباں!
تو ہمارا ہوا، ہم ترے ہو گئے

قسط ہشتم

”شیخ عجم“ حضرت صاحبزادہ سید محمد عبداللطیف صاحب

(محترم سید میر مسعود احمد صاحب مرحوم)

سرداران کابل کو (دعوت الی اللہ کے لئے) خطوط

حضرت صاحبزادہ صاحب نے سیدگاہ سے سرداران کابل کو پانچ (دعوت الی اللہ کے لئے) خطوط تحریر کئے ان میں سے ایک خط مستوفی الملک بریگیڈیئر مرزا محمد حسین خان کوتوال کے نام تھا، دوسرا سردار شاہ غاصی عبدالقدوس خان اعتماد الدولہ کو لکھا، تیسرا مرزا عبدالرحیم خان دفتری کو، چوتھا حاجی باشی شاہ محمد کو اور پانچواں خط قاضی القضاۃ عبدالعزیز کے نام تھا۔

ان خطوط میں آپ نے تحریر فرمایا کہ میں حج کے ارادہ سے روانہ ہوا تھا لیکن ہندوستان میں میری ملاقات حضرت مرزا غلام احمد صاحب سے ہوئی جو قادیان میں رہتے ہیں۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس زمانہ کی اصلاح کے لئے مبعوث کیا گیا ہوں اور محمد رسول اللہ ﷺ کے دین کی خدمت کے لئے بھیجا گیا ہوں اور قرآن شریف اور احادیث کے مطابق وقت مقررہ پر آیا ہوں۔ میں نے قادیان میں چند ماہ گزارے، ان کا دعویٰ سنا، ان کے افعال و اقوال کو غور سے دیکھا۔ میں نے انہیں سچا پایا۔ ان کے ملنے سے مجھے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا قرب حاصل ہوا۔ سو میں آپ کو آگاہ کرتا ہوں کہ یہ وہی ہے جس کی آنحضرت ﷺ نے اپنے بعد آنے کی پیشگوئی فرمائی تھی اور جس کے آنے کا لوگ انتظار کیا کرتے تھے۔ میں اس پر ایمان لے آیا ہوں۔ آپ کو بھی چاہیے کہ اسے مان لیں تا اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ جائیں، آپ کی بہتری اسی میں ہے۔ میرا فرض آپ کو یہ پیغام پہنچانا تھا۔ میں اپنے فرض سے سبکدوش ہوتا ہوں۔

یہ خطوط آپ نے عبدالغفار خان صاحب برادر مولوی عبدالستار خان صاحب کو دیئے جو انہیں لے کر بلا توقف کابل روانہ ہو گئے۔ اس وقت سردی کا موسم تھا اور برف پڑی ہوئی تھی۔

مولوی عبدالغفار صاحب نے کابل جا کر یہ خطوط مکتوب الیہم کو پہنچا دیے۔ مولوی صاحب ان تمام لوگوں کو خوب جانتے تھے۔ مرزا محمد حسین خان کوتوال نے مولوی عبدالغفار خان صاحب سے کہا کہ تم واپس چلے جاؤ۔ خط کا جواب صاحبزادہ صاحب کو ڈاک کے ذریعہ بھجوا دیا جائے گا۔

مولوی عبدالغفار خان صاحب نے واپس آ کر حضرت صاحبزادہ صاحب سے عرض کی کہ مجھے تو ان خطوط کا کوئی جواب نہیں دیا گیا۔ البتہ مرزا محمد حسین خان نے کہا تھا کہ تم واپس چلے جاؤ۔ جواب ڈاک کے ذریعہ بھجوا دیا جائے گا۔ یہ سن کر حضرت صاحبزادہ صاحب نے فرمایا کہ مجھے تو خطرہ معلوم ہوتا ہے۔

گرفتاری اور کابل بلائے جانے کا فیصلہ

حضرت صاحبزادہ صاحب نے جو خطوط سرداران کابل کے نام بھجوائے تھے وہ تمام امیر حبیب اللہ خان اور سردار نصر اللہ خان کو پہنچا دیئے گئے۔ امیر نے اپنے با اعتماد مولویوں

کو بلا کر دکھائے اور ان کی رائے دریافت کی تو انہوں نے عرض کی کہ یہ مدعی جس کا ان خطوط میں ذکر ہے آدھا قرآن مانتا ہے اور آدھا نہیں مانتا اس لئے (نعوذ باللہ) کافر ہے اور جو شخص اسے مانتا ہے وہ بھی کافر اور مرتد ہے اور اگر مولوی عبداللطیف صاحب کو ڈھیل دی گئی تو خطرہ ہے کہ اور بہت سے لوگ مرتد ہو جائیں گے۔

چنانچہ امیر حبیب اللہ خان نے خوست کے حاکم کے نام حکم جاری کیا کہ صاحبزادہ صاحب کو گرفتار کر کے پچاس سواروں کی حفاظت میں کابل بھجوا دیا جائے۔ اس دوران انہیں کوئی ملنے نہ آئے اور نہ ان سے کلام کرے۔

ایک روز حضرت صاحبزادہ صاحب سیر کو جا رہے تھے اور سید احمد نور صاحب اور عبدالجلیل خان صاحب ساتھ تھے کہ حضرت صاحبزادہ صاحب نے اپنے ہاتھوں کو دیکھا اور فرمایا کہ کیا تم ہتھکڑیوں کی طاقت رکھتے ہو۔ پھر سید احمد نور سے فرمایا کہ جب میں مارا جاؤں تو تم میرے مرنے کی اطلاع حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں کرنا۔ اس پر سید احمد نور رو پڑے اور عرض کی کہ میں بھی تو آپ کے ساتھ ہی ہوں۔ میں کب آپ سے جدا ہوں گا۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ نہیں نہیں جب ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے رخصت ہوئے تھے تو تم نے عرض کی تھی کہ حضور میں تو قادیان سے باہر نہیں جا سکتا تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تم سے فرمایا تھا کہ اس وقت تم صاحبزادہ صاحب کے ساتھ چلے جاؤ تم بعد میں قادیان واپس آجاؤ گے۔ حضورؑ نے یہ تمہارے بارہ میں ارشاد فرمایا تھا، میرے بارہ میں تو نہیں فرمایا تھا۔

جب کچھ عرصہ تک آپ کے خطوط کا جواب نہ آیا تو بعض دوستوں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر آپ یہاں سے جانا چاہیں تو ہم آپ کو اہل و عیال سمیت لے جائیں گے۔ اس وقت موقعہ ہے آپ بنوں چلے جائیں۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں میں ہرگز نہیں جاؤں گا۔ مجھے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام ہوتا ہے اِذْهَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ میں یہاں سے ہرگز نہیں جاؤں گا۔

(شہید مرحوم کے چشم دید واقعات حصہ اوّل صفحہ ۱۲ تا ۱۶)

سید احمد نور صاحب بیان کرتے ہیں کہ گرفتاری سے ایک روز پیشتر صاحبزادہ صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں ایک خط لکھا جس میں آپ نے تمام واقعات تحریر کئے اس خط میں جو القاب آپ نے حضورؑ کے لئے استعمال کئے تھے وہ بہت اعلیٰ اور شیریں تھے۔ مجھے اتنے پسند آئے کہ میں نے عرض کی کہ یہ خط مجھے دے دیں میں نقل کر کے واپس کر دوں گا۔ حضرت صاحبزادہ صاحب نے خط اپنی جیب میں ڈال لیا اور مجھے فرمایا کہ یہ خط تمہارے ہاتھ میں آجائے گا۔ (شہید مرحوم کے چشم دید واقعات حصہ اوّل صفحہ ۱۶)

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:-

''جب گھر میں تھے اور ابھی گرفتار نہیں ہوئے تھے اور نہ اس واقعہ کی کچھ خبر تھی، اپنے دونوں ہاتھوں کو مخاطب کر کے فرمایا: اے میرے ہاتھو! کیا تم ہتھکڑیوں کی برداشت کر لو گے۔ ان کے گھر کے لوگوں نے پوچھا کہ یہ کیا بات آپ کے منہ سے نکلی ہے؟ تب فرمایا کہ نماز عصر کے بعد تمہیں معلوم ہو گا کہ یہ کیا بات ہے۔ تب نماز عصر کے بعد حاکم کے سپاہی آئے اور گرفتار کر لیا اور گھر کے لوگوں کو انہوں نے نصیحت کی کہ میں جاتا ہوں اور دیکھو ایسا نہ ہو کہ تم کوئی دوسری راہ اختیار کرو۔ جس ایمان اور عقیدہ پر میں ہوں چاہیے کہ وہی تمہارا ایمان اور عقیدہ ہو اور گرفتاری کے بعد راہ میں چلتے وقت کہا کہ میں اس مجمع کا نوشاہ ہوں۔

(تذکرۃ الشہادتین۔ روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۱۲۶، ۱۲۷ مطبوعہ لندن)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

''سنا ہے کہ جب ان کو پکڑ کر لے جانے لگے تو ان سے کہا گیا کہ اپنے بال بچوں سے مل لو۔ ان کو دیکھ لو مگر انہوں نے کہا کہ اب کچھ ضرورت نہیں''۔

(الحکم ۶ مارچ ۱۹۰۸ء، ملفوظات جلد پنجم طبع جدید صفحہ ۴۵۷)

سید احمد نور صاحب کا بیان ہے کہ گرفتاری کے روز عصر کا وقت قریب آیا تو گورنر نے ۵۰ سوار بھجوائے جو یکے بعد دیگرے سید گاہ آنے لگے۔

حضرت صاحبزادہ صاحب (بیت الذکر) میں آئے اور نماز عصر پڑھائی۔ نماز کے بعد ان سواروں نے عرض کی کہ گورنر صاحب نے پیغام دیا ہے کہ میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔ آپ خود آئیں گے یا میں حاضر ہو جاؤں۔ آپ نے فرمایا نہیں وہ ہمارے سردار ہیں میں خود ان کے پاس چلتا ہوں۔ آپ نے اپنا گھوڑا منگوایا لیکن گورنر کے بھجوائے ہوئے سواروں میں ایک اپنے گھوڑے سے اتر پڑا اور گھوڑا آپ کو سواری کے لئے پیش کر دیا۔ سوار ہونے سے پہلے آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نام خط مجھے دے دیا اور کوئی بات نہ کی۔

آپ سپاہیوں کے ساتھ روانہ ہوئے۔ مَیں بھی ساتھ ہو لیا۔ جب گاؤں سے باہر نکلے تو مجھ سے باتیں کرنے لگے۔ فرمایا کہ جب آپ مجھے ملے تھے تو میں بہت خوش ہوا تھا اور خیال آیا تھا کہ ایک باز میرے ہاتھ آ گیا ہے۔ اسی طرح میرے ساتھ گفتگو کرتے رہے۔ میں دور تک آپ کے ساتھ چلتا رہا پھر آپ نے فرمایا اب اپنے گھر چلے جاؤ۔ میں نے عرض کی میں آپ کی خدمت کے لئے ساتھ چلتا ہوں۔ آپ نے مجھے منع فرمایا اور کہا کہ ...... تم اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو۔ اس گاؤں سے اپنے گھر چلے جاؤ۔ اس پر میں آپ سے رخصت ہو گیا۔

(شہید مرحوم کے چشم دید واقعات حصہ اوّل صفحہ ۱۵ و ۱۶)

صاحبزادہ سید ابوالحسن صاحب قدسی بیان کرتے ہیں کہ جب امیر حبیب اللہ خان کی طرف سے خوست کے حاکم عبدالرحمٰن خان کو حضرت صاحبزادہ صاحب کو گرفتار کر کے کابل بھجوانے کا حکم آیا تو اس نے آپ کو لکھا کہ آپ سے بات کرنی ہے۔ آپ چھاؤنی میں آ جائیں۔ چھاؤنی خوست سے چند میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہ حکم سات آدمی لے کر آئے تھے۔ اس پر آپ نماز عصر پڑھنے کے لئے (بیت الذکر) چلے گئے اور نماز سے فارغ ہو کر ان کے ساتھ روانہ ہونے کے لئے گھر نہ تشریف لے گئے بلکہ (بیت الذکر) سے ہی روانہ ہو گئے۔ ایک آدمی کو کہہ کے گھر سے قرآن مجید اور چھڑی منگوا لی اور اپنا گھوڑا منگوانے کی ہدایت کی۔

حضرت صاحبزادہ صاحب خوست چھاؤنی میں گورنر سے ملے۔ اس نے آپ کو بتایا کہ آپ کے بارہ میں کابل سے حکم آیا ہے کہ آپ کو کوئی نہ ملے اور نہ آپ سے کلام کرے اس لئے آپ کو علیحدہ کمرہ دیا جاتا ہے۔

کمرہ پر پہرہ لگا دیا گیا۔ گورنر نے یہ رعایت برتی کہ جب آپ کے عزیز و رشتہ دار ملنے کو آتے تھے تو ان کو اجازت دے دی جاتی تھی۔ ایک روز آپ کے کچھ مرید ملنے آئے اور عرض کی کہ ہم آپ کو اور آپ کے اہل وعیال کو یہاں سے نکال کر لے جائیں گے۔ گورنر ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ہماری تعداد زیادہ ہے لیکن حضرت صاحبزادہ صاحب نے فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے دین کی خدمت ضرور لے گا اس لئے تم ایسا کوئی منصوبہ نہ باندھو۔ یہ نہ ہو کہ اس جگہ بھی ہم سے زیادتی ہو۔

(شہید مرحوم کے چشم دید واقعات حصہ اول صفحہ ۱۵، ۱۶، قلمی مسودہ صفحہ ۳۴)

حضرت صاحبزادہ صاحب کے بڑے بیٹے صاحبزادہ محمد سعید جان صاحب جن کی عمر ۱۵/۱۶ سال تھی اور آپ کے ایک غیر احمدی رشتہ دار صاحبزادہ سید مزمل صاحب حاکم خوست کو

ملے اور حضرت صاحبزادہ صاحب سے ملنے کی اجازت چاہی۔ حاکم نے اجازت دے دی اور ایک کپتان کو مقرر کیا کہ وہ ملاقات کروا دے۔ وہ اندر گئے تو دیکھا کہ آپ ایک چھوٹے سے کمرے میں محبوس ہیں اور ہتھکڑی پڑی ہوئی ہے۔ آپ نہایت سکون اور تضرّع کے ساتھ نماز ادا کر رہے ہیں۔

صاحبزادہ سید مزمل ایک بارسوخ سردار تھا۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو اس نے عرض کی کہ میں اس واسطے آیا ہوں کہ آپ کو قید سے نکلواؤں۔ حضرت صاحبزادہ صاحب نے فرمایا کہ میرا یہاں سے نکالنا ناممکن ہے۔ صاحبزادہ مزمل نے کہا کہ آپ اس کی فکر نہ کریں۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں حاکم خوست کو بتا کر علی الاعلان آپ کو نکلوا سکتا ہوں۔ حضرت صاحبزادہ صاحب نے فرمایا کہ میں خود ہی نکلنا نہیں چاہتا۔ میں کابل جا کر امیر حبیب اللہ خان کو (دعوت الی اللہ) کرنا چاہتا ہوں اس لئے تم مجھے نکالنے کی کوشش نہ کرو۔ صاحبزادہ مزمل نے عرض کی کہ امیر آپ کی بات نہیں سنے گا۔ وہ آپ کو قتل کروا دے گا لیکن حضرت صاحبزادہ صاحب نے اجازت دینے سے انکار کر دیا۔

(قلمی مسودہ صفحہ ۳۴ تا ۴۰)

اسی طرح وزیری قوم کا ایک سردار جو آپ کا مخلص معتقد تھا آپ کو ملنے آیا۔ اس نے عرض کیا کہ میرے لئے آپ کو رہا کرانا کوئی مشکل امر نہیں ہے۔ اگر آپ اجازت دے دیں تو میں آپ کو علی الاعلان اس قید سے نکال سکتا ہوں لیکن آپ نے اس سے بھی یہی فرمایا کہ میں یہ نہیں چاہتا۔

(قلمی مسودہ صفحہ ۳۹)

خوست سے کابل لایا جانا

خوست کے گورنر عبدالرحمٰن خان کو یہ ڈر تھا کہ اگر حضرت صاحبزادہ صاحب کو فوری طور پر کابل نہ بھجوایا گیا تو شاید راستہ میں آپ کے مرید حملہ کر کے آپ کو چھڑا لے جائیں اس لئے اس نے آپ کو خوست کی چھاؤنی میں ہی زیر حراست رکھا۔

کچھ عرصہ کے بعد اس کی تسلی ہوئی کہ حضرت صاحبزادہ صاحب خود ہی کابل جانے پر آمادہ ہیں اور لوگوں کو اس امر سے منع کرتے ہیں کہ وہ آپ کو آزاد کروائیں تو اس نے چند محافظوں کے ساتھ آپ کو کابل روانہ کر دیا۔ مولوی عبدالجلیل خان صاحب جو آپ کے خادمِ خاص تھے، بھی آپ کے ہمراہ کابل روانہ ہوئے۔ جو محافظ سوار آپ کے ساتھ کابل گئے تھے وہ آپ کی بعض کرامات بیان کیا کرتے تھے۔ ان کا بیان تھا کہ دو مرتبہ حضرت صاحبزادہ صاحب ان کی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ بعد میں آپ نے فرمایا کہ میں اپنی خوشی سے تمہارے ساتھ جا رہا ہوں تم مجھے میری مرضی کے خلاف زبردستی نہیں لے جا سکتے۔ چنانچہ آپ کے محافظ نہایت ادب اور احتیاط کے ساتھ آپ کو کابل لے گئے۔ حضرت صاحبزادہ صاحب کو کم و بیش ایک مہینہ یا ڈیڑھ مہینہ خوست کی چھاؤنی میں رکھا گیا تھا۔ (قلمی مسودہ صفحہ ۳۹۔۴۰)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”راویوں نے بیان کیا ہے کہ جب...... مرحوم کابل کے بازار سے گزرے تو گھوڑے پر سوار تھے اور ان کے پیچھے آٹھ سرکاری سوار تھے اور ان کی تشریف آوری سے پہلے عام طور پر کابل میں مشہور تھا کہ امیر صاحب نے اخوندزادہ صاحب کو دھوکہ دے کر بلایا ہے۔ اب بعد اس کے دیکھنے والوں کا یہ بیان ہے کہ جب اخوندزادہ صاحب مرحوم بازار سے گزرے تو ہم اور دوسرے بہت سے بازاری لوگ ساتھ چلے گئے اور یہ بھی بیان کیا کہ آٹھ سرکاری سوار خوست سے ہی ان کے ہمراہ کئے گئے

تھے۔ کیونکہ ان کے خوست میں پہنچنے سے پہلے حکم سرکاری ان کے گرفتار کرنے کے لئے حاکم خوست کے نام آچکا تھا''۔

(تذکرۃ الشہادتین۔ روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۵۰، ۵۱ مطبوعہ لندن)

کابل میں قید اور مافوق العادت استقامت

جب حضرت صاحبزادہ صاحب کابل پہنچے تو پہلے ان کو سردار نصر اللہ خان نائب السلطنت کے پاس لے جایا گیا۔ اس نے بغیر کسی تحقیقات کے حکم دیا کہ آپ کا تمام سامان زادِراہ اور گھوڑا وغیرہ ضبط کر لیا جائے اور ارک یعنی قلعہ شاہی کے قید خانہ جو توقیف خانہ کہلاتا تھا، میں قید کر دیا جائے۔ آپ کے خادم خاص عبدالجلیل خان صاحب کو عام جیل میں قید کر دیا گیا۔

(شہید مرحوم کے چشم دید واقعات حصہ اوّل صفحہ ۱۷۔ قلمی مسودہ صفحہ ۴۲)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

''جب امیر صاحب کے روبرو پیش کئے گئے تو مخالفوں نے پہلے سے ہی ان کے مزاج کو بہت کچھ متغیر کر رکھا تھا اس لئے وہ ظالمانہ جوش سے پیش آئے اور حکم دیا کہ مجھے ان سے بُو آتی ہے ان کو فاصلہ پر کھڑا کرو۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد حکم دیا کہ ان کو اس قلعہ میں جس میں خود امیر صاحب رہتے ہیں قید کر دو اور زنجیر غراغراب لگا دو۔ یہ زنجیر وزنی ایک من چوبیس سیر انگریزی کا ہوتا ہے۔ گردن سے لے کر کمر تک گھیر لیتا ہے اور اس میں ہتھکڑی بھی شامل ہے۔ اور نیز حکم دیا کہ پاؤں میں بیڑی وزنی آٹھ سیر انگریزی کی لگا دو۔

پھر اس کے بعد مولوی صاحب مرحوم چار مہینہ قید میں رہے اور اس عرصہ میں کئی دفعہ ان کو امیر کی طرف سے فہمائش ہوئی کہ اگر تم اس خیال سے توبہ کرو کہ قادیانی درحقیقت مسیح موعود ہے تو تمہیں رہائی دی جائے گی۔ مگر ہر ایک مرتبہ انہوں نے یہی جواب دیا کہ میں صاحبِ علم ہوں اور حق و باطل کی شناخت کرنے کی خدا نے مجھے قوت عطا کی ہے، میں نے پوری تحقیق سے معلوم کر لیا ہے کہ یہ شخص درحقیقت مسیح موعود ہے۔ اگرچہ میں جانتا ہوں کہ میرے اس پہلو کے اختیار کرنے میں میری جان کی خیر نہیں ہے اور میرے اہل و عیال کی بربادی ہے مگر میں اس وقت اپنے ایمان کو اپنی جان اور ہر ایک دنیوی راحت پر مقدم سمجھتا ہوں۔...... مرحوم نے نہ ایک دفعہ بلکہ قید ہونے کی حالت میں بارہا یہی جواب دیا اور یہ قید انگریزی قید کی طرح نہیں تھی جس میں انسانی کمزوری کا کچھ کچھ لحاظ رکھا جاتا ہے بلکہ ایک سخت قید تھی جس کو انسان موت سے بدتر سمجھتا ہے۔ اس لئے لوگوں نے...... موصوف کی اس استقامت اور استقلال کو نہایت تعجب سے دیکھا اور درحقیقت تعجب کا مقام تھا کہ ایسا جلیل الشان شخص کہ جو کئی لاکھ کی ریاست کابل میں جاگیر رکھتا تھا اور اپنے فضائل علمی اور تقویٰ کی وجہ سے گویا تمام سرزمین کابل کا پیشوا تھا اور قریباً پچاس برس کی عمر تک تنعم اور آرام میں زندگی بسر کی تھی اور بہت سا اہل و عیال اور عزیز فرزند رکھتا تھا۔ پھر یکدفعہ وہ ایسی سنگین قید میں ڈالا گیا جو موت سے بدتر تھی اور جس کے تصور سے بھی انسان کے بدن پر لرزہ پڑتا ہے۔

ایسا نازک اندام اور نعمتوں کا پروردہ انسان وہ اس روح کے گداز کرنے والی قید میں صبر کر سکے اور جان کو ایمان پر فدا کرے۔ بالخصوص جس حالت میں امیر کابل کی طرف سے بار بار ان کو پیغام پہنچتا تھا کہ اس

قادیانی شخص کی تصدیق دعویٰ سے انکار کر دو تو تم ابھی عزت سے رہا کئے جاؤ گے۔ مگر اس قوی الایمان بزرگ نے اس بار بار کے وعدہ کی کچھ بھی پرواہ نہ کی اور بار بار یہی جواب دیا کہ مجھ سے یہ امید مت رکھو کہ میں ایمان پر دنیا کو مقدم رکھ لوں اور کیونکر ہو سکتا ہے کہ جس کو میں نے خوب شناخت کر لیا اور ہر ایک طرح سے تسلی کر لی اپنی موت کے خوف سے اس کا انکار کر دوں۔

یہ انکار تو مجھ سے نہیں ہوگا۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ میں نے حق پا لیا اس لئے چند روزہ زندگی کیلئے مجھ سے بے ایمانی نہیں ہوگی کہ میں اس ثابت شدہ حق کو چھوڑ دوں۔ میں جان چھوڑنے کے لئے تیار ہوں اور فیصلہ کر چکا ہوں۔ مگر حق میرے ساتھ جائے گا۔ اس بزرگ کے بار بار کے یہ جواب ایسے تھے کہ سرزمین کابل کبھی ان کو فراموش نہیں کرے گی اور کابل کے لوگوں نے اپنی تمام عمر میں یہ نمونہ ایمانداری اور استقامت کا کبھی نہیں دیکھا ہوگا۔

اس جگہ یہ بھی ذکر کرنے کے لائق ہے کہ کابل کے امیروں کا یہ طریق نہیں ہے کہ اس قدر بار بار وعدہ معافی دے کر ایک عقیدہ کے چھڑانے کے لئے توجہ دلائیں۔ لیکن مولوی عبداللطیف صاحب مرحوم کی یہ خاص رعایت اس وجہ سے تھی کہ وہ ریاست کابل کا گویا ایک بازو تھا اور ہزار ہا انسان اس کے معتقد تھے............وہ امیر کابل کی نظر میں اس قدر منتخب عالم فاضل تھا کہ تمام علماء میں آفتاب کی طرح سمجھا جاتا تھا.........

پس ممکن ہے کہ امیر کو بجائے خود یہ رنج بھی ہو۔ ایسا برگزیدہ انسان علماء کے اتفاق رائے سے ضرور قتل کیا جائے گا اور یہ تو ظاہر ہے کہ آج کل ایک طور سے عنان حکومت کابل کی مولویوں کے ہاتھ میں ہے اور جس بات پر مولوی لوگ اتفاق کر لیں پھر ممکن نہیں کہ امیر اس کے برخلاف کچھ کر سکے۔ پس یہ امر قرین قیاس ہے کہ ایک طرف امیر کو مولویوں کا خوف تھا اور دوسری طرف ......مرحوم کو بے گناہ دیکھتا تھا۔ پس یہی وجہ ہے کہ وہ قید کی تمام مدت میں یہی ہدایت کرتا رہا کہ آپ اس شخص قادیانی کو مسیح موعود مت مانیں اور اس عقیدہ سے توبہ کریں تب آپ عزت کے ساتھ رہا کر دئے جاؤ گے۔ اور اسی نیت سے اس نے ......مرحوم کو اس قلعہ میں قید کیا تھا جس قلعہ میں وہ آپ رہتا تھا تا متواتر فہمائش کا موقعہ ملتا رہے''۔

(تذکرۃ الشہادتین۔ روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۵۱ تا ۵۳۔ مطبوعہ لندن)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

''ان کی جب مخبری کی گئی اور ان کو امیر کے روبرو پیش کیا گیا تو امیر نے ان سے یہی پوچھا کہ کیا تم نے ایسے شخص کی بیعت کی ہے تو اس نے چونکہ وہ ایک راستباز انسان تھا صاف کہا کہ ''ہاں میں نے بیعت کی ہے۔ مگر نہ تقلیداً اندھا دھند بلکہ علی وجہ البصیرۃ اس کی اتباع اختیار کی ہے۔ میں نے دنیا بھر میں اس کی مانند کوئی شخص نہیں دیکھا۔ مجھے اس سے الگ ہونے سے اس کی راہ میں جان دے دینا بہتر ہے''۔

(الحکم ۱۸ جون ۱۹۰۸ء۔ ملفوظات جلد دہم صفحہ ۳۰۷۔ مطبوعہ لندن۔ حضور کے ارشادات ۲ مئی ۱۹۰۸ء کے ہیں جو آپ نے بمقام لاہور فرمائے تھے)

سید احمد نور صاحب بیان کرتے ہیں کہ حضرت صاحبزادہ صاحب نے قید خانہ سے اپنے اہل وعیال کو پیغام بھجوایا کہ انہیں

کچھ رقم اور بعض ضرورت کی اشیاء بھجوا دی جائیں۔ سید احمد نور اس وقت اپنے گاؤں سے سیدگاہ آئے ہوئے تھے۔ حضرت صاحبزادہ صاحب کے بیٹوں نے ان سے کہا کہ ابا نے خرچ کے لئے روپیہ منگوایا ہے کوئی لے جانے والا نہیں آپ لے جائیں۔ سید احمد نور نے کہا کہ ہاں میں لے جاؤں گا۔ چنانچہ وہ روپیہ اور دیگر اشیاء لے کر کابل روانہ ہوگئے۔ سردی کا موسم تھا اور پہاڑی راستہ تھا بارش ہو رہی تھی۔ پیدل ہی روانہ ہوگئے۔ راستہ میں آٹھ کوس کے بعد اپنے ایک دوست کے ہاں ٹھہرے۔ صبح ہوئی تو آگے روانہ ہوئے۔ راستہ میں انہوں نے دیکھا کہ شدت سردی سے سینکڑوں اونٹ اور بھیڑ بکریاں مرے پڑے ہیں۔ جب غزک کے پہاڑ پر پہنچے تو شام قریب تھی بارش اور اولوں کا زور تھا۔ انہوں نے ایک غار میں پناہ لی۔ اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا کہ بادل چھٹ گئے اور سورج نکل آیا تو آگے روانہ ہوئے۔ شام ہونے تک ایک گاؤں خوشے میں پہنچ گئے اور رات گاؤں کی (بیت الذکر) میں بسر کی۔ اگلے روز کابل پہنچ گئے۔ سردار شاہ محمد حاجی باشی کو ملے جو حضرت صاحبزادہ صاحب کے دوست تھے۔ ان کے ذریعہ روپیہ اور ضرورت کا سامان حضرت صاحبزادہ صاحب کو جیل میں بھجوا دیا۔ سید احمد نور دو روز کابل میں حاجی باشی صاحب کے پاس رہے پھر اپنے گاؤں میں واپس آ گئے۔ (شہید مرحوم کے چشم دید واقعات حصہ اوّل صفحہ ۱۳)

جناب قاضی محمد یوسف صاحب کا بیان ہے کہ جب حضرت صاحبزادہ صاحب ارک شاہی کے توقیف خانہ میں زیر حراست تھے تو آپ کو کھانا سردار عبدالقدوس خان شاہ غاصی اور بریگیڈیئر مرزا محمد حسین خان صاحب کوتوال کی طرف سے بھجوایا جاتا تھا۔ (عاقبۃ المکذبین حصہ اوّل صفحہ ۴۴)

★ باقی آئندہ ★

حضرت ناصح گر آئیں، دیدہ و دل فرشِ راہ

دوست غمخواری میں میری سعی فرمائیں گے کیا
زخم کے بھرنے تلک ناخن نہ بڑھ آئیں گے کیا

بے نیازی حد سے گزری، بندہ پرور کب تلک
ہم کہیں گے حالِ دل اور آپ فرمائیں گے کیا

★حضرت ناصح گر آئیں، دیدہ و دل فرشِ راہ
کوئی مجھ کو تو یہ سمجھائے کہ سمجھائیں گے کیا

آج واں تیغ و کفن باندھے ہوئے جاتا ہوں میں
عذر میرے قتل کرنے میں وہ اب لائیں گے کیا

گر کیا ناصح نے ہم کو قید اچھا! یوں سہی
یہ جنونِ عشق کے انداز چھُٹ جائیں گے کیا

خانہ زادِ زلف ہیں، زنجیر سے بھاگیں گے کیوں
ہیں گرفتارِ وفا، زنداں سے گھبرائیں گے کیا

ہے اب اس معمورہ میں قحطِ غمِ اُلفت اسدؔ
ہم نے یہ مانا کہ دِلّی میں رہیں کھائیں گے کیا

(مرزا اسد اللہ خان غالبؔ)

★نوٹ: حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتاب "ازالہ اوہام" حصہ دوم میں یہ شعر نقل فرمایا ہے۔

(دیکھیں روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 525)

☆☆☆

جواں احمدی

شب و روز ہے محوِ ذکر و عمل
مسلسل، لگا تار فکر و عمل

یہی رزم ہے اور یہی بزم ہے
جواں احمدی کا جواں عزم ہے

سراپا محبت کی تصویر ہے
مگر دستِ قدرت کی شمشیر ہے

یہ ہے دست و پا اور زبانِ خدا
جواں احمدی ترجمانِ خدا

ازل سے براہیم فن احمدی
حرم گر مگر بت شکن احمدی

عدو ہے شیاطین منحوس کا
نگہباں یہ ملت کے ناموس کا

مقامِ اطاعت میں مثلِ ایاز
یہی اِس کا ہے طرّۂ امتیاز

شیاطینِ باطل کو جکڑے ہوئے
عنانِ زمانہ کو پکڑے ہوئے

اُڑا جا رہا ہے ورائے فلک
خجل باز و شاہین و جن و ملک

محیطِ زمان و مکاں احمدی
کہ ہے فاتحِ کل جہاں احمدی

قیامت بپا اس کا انداز ہے
محبت کے میداں کا جاں باز ہے

کنول ہے تموج سے بے باک ہے
نظر پاک اس کی، جگر چاک ہے

کشاکش کا جب یہ ہدف بن گیا
تو صبر و رضا کا صدف بن گیا

تھپیڑے یہ موجوں کے کھاتا رہا
مگر نورِ فطرت بڑھاتا رہا

یہ طوفانوں کا سر کچلتا رہا
یہ موجوں کے اوپر اچھلتا رہا

صدف سے جو نکلا گُہر بن گیا
یہ نخلِ رضا کا ثمر بن گیا

نظر اس کی دانائے رازِ جدید
محبت کے نغموں کا سازِ جدید

یہ پیہم رواں کوئی منزل نہیں
کہ بحرِ محبت کا ساحل نہیں

کسی ذوقِ مستور کی بجلیاں
نگاہوں میں ہیں طُور کی بجلیاں

یہ اعجازِ ہستی ہے مردِ کلیم
یہ جادوئے باطل کو دستِ کلیم

تڑپتا سدا نیم خوابی میں ہے
کہ تسکینِ دل اضطرابی میں ہے

جبیں اس کی محوِ سجود و نیاز
یہی اس کی ہے کامیابی کا راز

اسے خوف کیا رنج و آلام کا
یہ رُخ پھیر سکتا ہے ایام کا

زمانے کا دھارا بدلتا ہے یہ
مقدّر کا تارہ بدلتا ہے یہ

ستاروں کا ہے ہم سخن احمدی
ہے سیّارۂ بے وطن احمدی

(مکرم عبدالسلام اسلام صاحب)

☆☆☆

حضرت مرزا طاہر احمد صاحب رحمہ اللہ امام جماعت احمدیہ الرابع کی ایک یادگار تحریر

حضرت امام جماعت احمدیہ الثانی کے آخری لمحات

ہمارے نہایت ہی پیارے امام، میرے محبوب روحانی اور جسمانی باپ حضرت اقدس امام جماعت احمدیہ الثانی کی بیماری کے آخری چند لمحات کی یاد ایک نہ مٹنے والا نقش ہے۔

شام سے طبیعت زیادہ خراب تھی اور مسلسل سانس کو درست رکھنے کے لئے آکسیجن دی جارہی تھی۔ چھاتی میں رسوب زیادہ بھر رہا تھا جسے بار بار نکالنے کی ضرورت پیش آتی تھی اور مکرم محترم ڈاکٹر قاضی مسعود احمد صاحب اور برادرم ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب بار بار معائنہ فرماتے اور رسوب کا اخراج خود اپنے ہاتھوں سے کرتے رہے۔ بچوں میں سے وہ تو ڈیوٹی پر تھے اور باقی تمام ویسے ہی جمع تھے۔ خاندان کے بڑے چھوٹے سبھی کے دل اندیشوں کی آماجگاہ بنے ہوئے تھے تاہم زبان پر کوئی کلمہ بے صبری کا نہ تھا اور امید کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹا تھا۔ اندیشے دھویں کی طرح آتے اور جاتے تھے۔ توکل علی اللہ اور نیک امید غیر متزلزل چٹان کی طرح قائم تھے۔ وہ جو صاحب تجربہ نہیں شاید اس بظاہر متضاد کیفیت کو نہ سمجھ سکیں لیکن وہ صاحب تجربہ جو اپنے رب کی قضاء کے اشاروں کو سمجھنے کے باوجود اس کی رحمت سے کبھی مایوس ہونا نہیں جانتے۔ میرے اس بیان کو بخوبی سمجھ جائیں گے۔ پس افکار کے دھوئیں میں گھری ہوئی ایک امید کی شمع ہر دل میں روشن تھی اور آخر تک روشن رہی تاہم کبھی کبھی یہ فکر کا دھواں دم گھونٹنے لگتا تھا۔ دعائیں سب ہونٹوں پر جاری تھیں اور ہر دل اپنے رب کے حضور سجدہ ریز تھا۔

حضرت صاحب پر کبھی غنودگی طاری ہوتی تو کبھی پوری ہوش کے ساتھ آنکھیں کھول لیتے اور اپنی عیادت کرنے والوں پر نظر فرماتے۔ ایک مرتبہ بڑی خفیف آواز میں برادرم ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب کو بھی طلب فرمایا۔ لیکن جیسا کہ مقدر تھا رفتہ رفتہ یہ غنودگی کی کیفیت ہوش کے وقفوں پر غالب آنے لگی اور جوں جوں رات بھیگتی گئی غنودگی بڑھتی رہی۔ اس وقت بھی گو ہماری تشویش بہت بڑھ گئی تھی لیکن یہ تو وہم وگمان بھی نہ تھا کہ حضرت صاحب کی یہ آخری رات ہے جو آپ ہمارے درمیان گذار رہے ہیں۔ تقریباً گیارہ بجے شب میں ذرا ستانے اور ایک لاہور سے تشریف لائے ہوئے مہمان کو گھر چھوڑنے گیا اور عزیزم انس احمد کو تاکید کر گیا کہ اگر ذرا بھی طبیعت میں کمزوری دیکھو تو اسی وقت بذریعہ فون مجھے مطلع کردو۔

نماز وغیرہ سے فارغ ہو کر بستر پر لیٹے ابھی چند منٹ ہی ہوئے ہوں گے کہ فون کی دل ہلا دینے والی گھنٹی بجنے لگی۔ مجھے فوری طور پر پہنچنے کی تاکید کی جارہی تھی۔ اسی وقت جلدی سے وضو کر کے ایک ناقابل بیان کیفیت میں وہاں پہنچا۔ قصر امامت میں داخل ہوتے ہی مکرم ڈاکٹر مسعود احمد صاحب اور مکرم ڈاکٹر ذکی الحسن صاحب کے پژمردہ چہروں پر نظر پڑی جو باہر برآمدے میں کرسیوں پر بیٹھے تھے۔

حضرت صاحب کے کمرہ میں پہنچا تو اور ہی منظر پایا۔ کہاں احتیاط کا وہ عالم کہ ایک وقت میں دو افراد سے زائد اس کمرہ میں جمع نہ ہوں اور کہاں یہ حالت کہ افراد خاندان سے کمرہ بھرا ہوا تھا۔ حضرت سیدہ ام متین اور حضرت سیدہ مہر آپا بائیں جانب سرہانے کی طرف اداسی کے مجسمے بنی ہوئی پٹی کے ساتھ لگی بیٹھی تھیں۔ برادرم حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب دائیں طرف سرہانے کے قریب کھڑے تھے اور حضرت بڑی پھوپھی جان اور حضرت چھوٹی پھوپھی جان بھی چارپائی کے پہلو میں ہی کھڑی تھیں۔ میرے باقی بھائی اور بہنیں بھی، جو بھی ربوہ میں موجود تھے سب وہیں تھے اور باقی اعزاء واقرباء بھی سب اردگرد اکٹھے تھے۔ سب کے ہونٹوں پر دعائیں تھیں اور سب کی نظریں اس مقدس چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ سانس کی رفتار تیز تھی اور پوری بے ہوشی طاری تھی۔ چہرے پر کسی قسم کی تکلیف یا جدوجہد کے آثار نہ تھے۔ میں نے کسی بیمار کا چہرہ اتنا پیارا اور ایسا معصوم نظر آتا ہوا نہیں دیکھا۔ میں نہیں جانتا کہ اس حالت میں ہم کتنی دیر کھڑے رہے اور سانس کی کیفیت میں وہ کیا تبدیلی تھی جس نے ہمیں غیر معمولی طور پر چونکا دیا۔

اُس وقت مجھے پہلی مرتبہ یہ غالب احساس ہوا کہ گو خدا تعالیٰ قادر مطلق اور حی وقیوم ہے اور ہر آن اپنی تقدیر کو بدل سکتا ہے لیکن وہ تقدیر جس سے ہمارے نادان دل گھبراتے تھے وہ تقدیر آ پہنچی ہے۔

پس اسی وقت میں نے قرآن کریم طلب کیا اور اس مقدس وجود کی روحانی تسکین کی خاطر جس کی ساری زندگی قرآن کریم کے عشق اور خدمت میں صرف ہوئی اور سورۂ یٰسین کی تلاوت شروع کر دی۔ یہ ایک مشکل گھڑی تھی اور سر سے پاؤں تک میرے جسم کا ذرہ ذرہ کانپ رہا تھا۔ اس وقت مجھے صبر کی طنابیں ڈھیلی ہوتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ اس وقت میں نے اپنے چاروں طرف سے گھٹی گھٹی سسکیوں کی آوازیں بلند ہوتی ہوئی سنیں لیکن خدا گواہ ہے کہ ہر سسکی دعا وں میں لپٹی ہوئی اور ہر دعا آنسوؤں میں بھیگی ہوئی تھی۔

سورہ یٰسین کی تلاوت کے دوران ہی میں سانس کی حالت اور زیادہ تشویشناک ہو چکی تھی اور تلاوت کے اختتام تک زندگی کی کشمکش کے آخری چند لمحے آ پہنچے تھے۔ میں نے قرآن کریم ہاتھ سے رکھ دیا اور دوسرے عزیزوں کی طرح قرآنی اور دیگر مسنون دعاؤں میں مصروف ہو گیا۔

حضرت صاحب نے ایک گہری اور لمبی سانس لی جیسے معصوم بچے روتے روتے تھک کر لیا کرتے ہیں اور ہمیں ایسا محسوس ہوا جیسے یہ آپ کی آخری سانس ہے۔ اسی وقت میں نے ایک ہومیو پیتھک دوا کے چند قطرے پانی میں ملا کر اپنی تشہد کی انگلی سے قطرہ قطرہ حضرت صاحب کے ہونٹوں میں ٹپکانے شروع کئے اور ساتھ ہی بے اختیار ہونٹوں پر یہ دعا جاری ہو گئی کہ یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِکَ نَسْتَغِیْثُ اس وقت سانس بند تھے اور جسم ٹھنڈا ہو رہا تھا اور بظاہر زندگی کا رشتہ ٹوٹ چکا تھا لیکن اچانک ہم نے حی وقیوم خدا کا ایک عظیم معجزہ دیکھا۔ مجھے حضرت پھوپھی جان کی بے قرار آواز سنائی دی کہ دیکھو ابھی پاؤں میں حرکت ہوئی تھی اور ان الفاظ کے ساتھ ہی ہونٹوں پر بھی خفیف سی حرکت ہوئی اور سانس لینے کا سا اشتباہ ہوا۔ معاً شدید کرب اور بے چینی سکینت میں بدل گئے اور ہر طرف سے ''یا حی یا قیوم'' کی صدائیں بلند ہونے لگیں اور جوں جوں ہم دعا

کرتے رہے حضرت صاحب کے سانس زیادہ گہرے ہوتے چلے گئے یہاں تک کہ وہ ڈاکٹر بھی جو جسم کو بظاہر مردہ چھوڑ کر چلے گئے تھے واپس بلائے گئے اور بڑی حیرت سے اس معجزانہ تبدیلی کا مشاہدہ کرنے لگے۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صاحب کی زندگی کا بظاہر جسم کو چھوڑ دینے کے بعد معجزانہ طور پر پھر واپس لوٹ آنا محض ہمارے دلوں کو سکینت عطا کرنے کی خاطر تھا اور خدا تعالیٰ کی طرف سے گویا ایک فضل و احسان کا پھایا تھا جو ہمارے قلوب پر رکھا گیا۔

چنانچہ اس کے تقریباً بیس منٹ کے بعد حضرت صاحب کو اپنے آسمانی آقا کا آخری بلاوا آ گیا۔ اس وقت کا منظر اور کیفیت ناقابل بیان ہیں۔ ہم نے آسمان سے صبر اور سکینت کو اپنے قلوب پر نازل ہوتے ہوئے دیکھا اور یوں محسوس ہوا جیسے ضبط و تحمل کی باگ ڈور رحمت کے فرشتوں کے ہاتھوں میں ہے۔ آنکھوں سے آنسو ضرور جاری تھے اور دلوں سے دعائیں بھی بدستور اٹھ رہی تھیں مگر سب دل کامل طور پر راضی برضا اور سب سر اپنے معبود و خالق و مالک کے حضور جھکے ہوئے تھے۔ ہم ٹکٹکی لگا کر اس طرح خدا جانے کب تک اُس پیارے چہرے کی طرف دیکھتے رہے جسے موت نے اور بھی زیادہ معصوم اور حسین بنا دیا تھا۔ اس تقدس کے ماحول میں جس کی فضا ذکر الٰہی سے معمور تھی اور جس کی یاد کبھی فراموش نہیں کی جا سکتی۔ حضرت صاحب کی نعش مبارک نور میں نہائی ہوئی ایک معصوم فرشتے کی طرح پڑی تھی۔ دل بے اختیار یہ کہتا تھا۔

اے نفس مطمئنہ! اپنے رب کی طرف لوٹ آ۔ اس حالت میں کہ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی ہے۔

(الفضل ۱۹ فروری ۱۹۹۴ء)

اعلان تبدیلی مدیر ماہنامہ ''خالد''

احباب کی اطلاع کے لئے تحریر ہے کہ مکرم و محترم صدر صاحب مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان نے مکرم منصور احمد نور الدین صاحب مربی سلسلہ کو فروری 2004ء سے بطور مدیر ماہنامہ ''خالد'' نامزد فرمایا ہے۔

نئے آنے والے مدیر کو ہم خوش آمدید کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو ماہنامہ ''خالد'' کے معیار کو مزید بہتر اور مفید بنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(مہتمم اشاعت مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان)

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کی

مجلس عرفان

زندگی کے آغاز کے بارے میں سائنسی نظریات اور قرآنی علوم کا پُرحکمت تذکرہ

میڈیکل کالج کے ایک مہمان طالب علم یہ جاننا چاہتے تھے کہ آدم کی پیدائش (Origin of Life) کی اصل حقیقت کیا ہے اور اس بارہ میں قرآن کریم اور سائنس کے نظریات کا رشتہ کیا ہے؟

انسانی تخلیق کے مختلف مراحل

حضور نے فرمایا: قرآن کریم نے زندگی کے آغاز (Origin of Life) کے نظریات پر مختلف جگہوں پر مختلف رنگ میں روشنی ڈالی ہے اور انسانی تخلیق کے مختلف مراحل کو بیان فرمایا ہے۔ مثلاً قرآن کریم یہ کہتا ہے کہ ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، قرآن کریم یہ کہتا ہے کہ ہم نے تمہیں کیچڑ سے پیدا کیا، قرآن کریم یہ کہتا ہے ہم نے تمہیں بجنے والی مٹی سے پیدا کیا، قرآن کریم یہ بھی کہتا ہے کہ ہم نے انسان کے علاوہ بعض مخلوقات کو جن کو ''جنّ'' کا نام دیتا ہے، آگ سے پیدا کیا، قرآن کریم یہ بھی کہتا ہے کہ ہم نے تمہیں مضغہ سے پیدا کیا، علقہ سے پیدا کیا (یہ اصطلاحیں ہیں) اور پھر فرمایا حماء مسنون یعنی گلے سڑے کیچڑ سے پیدا کیا جس میں (Fermentation) ہو چکی تھی۔ پھر قرآن کریم یہ فرماتا ہے...... ہم نے تمہیں نباتات کی طرح اگایا۔ پھر قرآن کریم فرماتا ہے کہ کیا انسان پر ایسا وقت نہیں آیا...... جب کہ وہ شئے مذکور تھا ہی نہیں، بحیثیت انسان اس کی کوئی معروف حقیقت ہی نہیں تھی۔

یہ اور بہت سے اَور اشارے قرآن کریم میں ایسے ملتے ہیں جن سے انسانی تخلیق کے بارہ میں اللہ تعالیٰ کی ایک جامع پلاننگ نظر آتی ہے پس قرآن کریم کا یہ کہنا کہ زندگی مختلف مراحل سے گزری ہے اور کئی قسم کی زندگیوں کا مختلف آغاز ہوا ہے۔ اس میں کوئی تضاد نہیں ہے۔

تخلیق کائنات کا اصل مقصود

اللہ تعالیٰ اس سارے عمل کو انسان کی تخلیق بیان فرماتا ہے کیونکہ انسان کو ویسے اگایا تو نہیں ہے جیسے نباتات اُگتی ہے۔ لیکن ایک دَور تھا جب کہ صرف نباتات کا دَور تھا اور ایسا دَور آج سے تقریباً ایک ارب اور کچھ سال پہلے تھا۔ اس وقت صرف نباتات کا دَور نظر آتا ہے جب کہ دوسری زندگی بھی اس میں سے جنم لیتی دکھائی دیتی ہے اور کچھ بعد میں پیدا ہوئی تو اس دور کو بھی خدا فرماتا ہے کہ وہ انسان کا دَور ہے۔ جس سے ایک بات قطعی طور پر واضح ہوئی کہ اس عمل میں مقصود انسان تھا۔ جس طرح آم کا پھل مقصود ہو تو اس کی گٹھلی زمین میں بوئی جاتی ہے اور قبل اس کے کہ آم لگیں، آم کے درخت

کی مختلف شکلیں بنتی ہیں۔ اگر پھل لگنے سے پہلے وہ درخت کاٹ دیا جائے تو وہ آم کا درخت تو نہیں بنے گا ان معنوں میں کہ اس کو آم لگیں لیکن وہ سارا عمل آغاز سے لے کر آخر تک آم کا عمل ہے اور اس پہلے عمل میں جہاں تک آم کے پھل کا تعلق ہے وہ شی مذکوراً ہی نہیں ہے تو بعینہٖ اسی طرح پر قرآن کریم نے انسانی زندگی کے مختلف مراحل بیان کئے ہیں آغاز زندگی کے متعلق بھی اور انسانی تخلیق کے بعد کے مراحل بھی جن کو مَیں بعد میں بتاؤں گا۔

قرآن کریم نے بغیر جنسی تعلق کے افزائش نسل اور بعد میں جنسی تعلق کے ذریعے افزائش نسل کا الگ الگ ذکر کیا ہے۔ پہلے نفس واحدہ سے تخلیق کا ذکر کرتا ہے پھر اس میں سے جوڑا بنانے کا ذکر کرتا ہے پھر جوڑے بن جائیں پھر انسان کے آنے کا ذکر کرتا ہے جس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ یہ جو بائبل کا تصور ہے کہ انسان اچانک مٹی سے بنا تھا اور اس کی پسلی سے حوّا نکالی تھی۔ قرآن اس تصور کو رد کرتا ہے۔ مثلاً فرماتا ہے...(اے انسانو! اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرو اس نے تمہیں نفس واحدہ سے پیدا کیا۔ ترجمہ از ناقل) مخاطب انسان ہی ہے کیونکہ مقصود انسان تھا۔ فرمایا ہم نے تمہیں ایسی حالت میں پیدا کیا کہ تم کائنات میں نفس واحدہ کی شکل میں موجود تھے۔ مثلاً جس طرح امیبا (Amoeba) ہے وہ افزائش نسل کے لئے کسی اور نفس کا محتاج نہیں ہے...... پھر دوسرا مرحلہ ایسا آیا کہ بغیر جنسی تعلق کے افزائش نسل کو ہم نے جنسی تعلق کے ذریعہ اضافے میں تبدیل کر دیا اور نفس واحدہ سے اس کا جوڑا پیدا کیا۔ یہ عام جو حیواناتی افزائش ہے اس کا ذکر فرمایا ہے پھر فرمایا...... انسان سے پہلے یہ جوڑا پیدا ہو چکا تھا پھر ان دونوں کے ملنے سے آہستہ آہستہ وہ منزل آئی کہ پھر انسان مرد اور عورت پیدا ہونے شروع ہو گئے۔ یہ ہے ''جنرل سکیم آف تھنگ'' اب میں زیادہ تفصیل کے ساتھ ذکر کرتا ہوں۔

زندگی کے آغاز کے متعلق ایک بات بہر حال قطعی ہے کہ ہائی الیکٹرانک چارجز High Electronic Charges نے اس میں بہت بڑا کردار ادا کیا ہے۔ زمین پر ایک ایسا وقت آیا کہ جب وہ آکسیجن سے کلیۃً خالی تھی اور وہی ضرورت تھی۔ زندگی کی نشوونما کے لئے۔ اگر اس دَور میں آکسیجن نہ ہوتی تو زندگی کا آغاز نہیں ہو سکتا تھا۔ کیسی حیرت انگیز آرگنائیزیشن ہے۔ اس وقت ہائی الیکٹریکل چارجز High Electrical Charges نے زندگی کا ایک قسم کا ابتدائی ذرہ پیدا کیا جو زندگی سے تو محروم تھا لیکن کیمیائی طور پر وہ برکس (Bricks) کی شکل میں تھا جس سے زندگی تعمیر ہو سکتی ہے۔ اس میں پروٹین کا آغاز ہو گیا جس سے آگے D.N.A اور R.N.A بنی تھی۔ اس کا آغاز ہوا پانی میں جیسا کہ قرآن کریم فرماتا ہے...... کہ ہر زندہ چیز کو اس نے پانی سے پیدا کیا۔ تو سائنس دانوں نے اب تک جس نظام کا پتہ چلایا ہے، اس کے مطابق وہ کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں بہت ہائی وولٹیج کے الیکٹریکل چارجز اس غیر نامیاتی کیمیائی مادے Inorganic Chemical کو نامیاتی مادے Organic Chemical میں تبدیل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ روس میں ۱۹۶۰ء میں اس کے لگ بھگ تجارب ہوئے تو انہوں نے مصنوعی طور پر اس قسم کے چارجز پیدا کر کے جو انہوں نے اندازہ لگایا تھا، اس وقت دنیا کا

مادہ Matter ہوگا، اس کا مواد مہیا کیا اور واقعۃً اس کے نامیاتی اشیاء Organic Particles یا مالیکول پیدا ہو گئے۔

سائنس دانوں کا اعتراف

پس قرآن کریم یہ جو فرماتا ہے کہ ہم نے انسان کی پیدائش سے پہلے ایسی چیز پیدا کی جو آگ سے پیدا کی گئی تھی تو اس سے وہ جو مولویوں والا جناتی تصور ہے وہ ہرگز مراد نہیں ہے۔ مراد یہ ہے کہ آگ نے انسان کی تخلیق سے پہلے ایک بڑا بھاری کردار ادا کیا ہے اور اس سے کچھ بیکٹیریا قسم کی چیزیں وجود میں آئیں یا زندگی کے ابتدائی سیلز (Cells) وجود میں آئے۔ پھر جب انسانی آغاز ہوا یعنی وہ کیمیکلز جو انسان کے لئے Bricks بنانے کے لئے ضروری تھے وہ اس مواد سے الیکٹریکل چارجز کے نتیجہ میں پیدا ہوئیں تنہا نشوونما نہیں کرسکتی تھیں۔ پانی کا کردار اس میں لازمی تھا۔ چنانچہ وہ مواد پھر سمندر کے پانیوں میں حل ہوا تو پانی اور نمکیات کے باہمی ارتباط کے نتیجہ میں اس میں کچھ کیمیکل تبدیلیاں پیدا ہونی شروع ہوئیں۔ یہ عمل عمل معکوس Reversible Process تھا۔ یعنی اگر کوئی اور سبب اللہ تعالیٰ پیدا نہ کرتا تو اس نے واپس پھر اسی حالت میں مڑتے چلے جانا تھا۔ ایک Reversible Chemical Actions ہوتے ہیں اور آگے بڑھ کر DNA کے لئے جو پیچیدہ مالیکیول چاہئیں وہ نہیں بن سکتے تھے۔ یہ چیز سائنٹیفک تحقیق سے ثابت ہوگئی ہے۔ پھر کیا ہوا؟ فرمایا...... ہم نے انسان کو کھنکتی ہوئی یعنی بجنے والی ٹھیکریوں سے پیدا کیا ہے۔ یہ عمل بیان ہوتا ہے۔ اب انسان ویسے تو حیران ہوتا ہے کہ انسانی تخلیق کا ٹھیکری سے کیا تعلق ہے؟ اگر کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں خود کتاب بنا رہا ہوتا تو زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتا تھا کہ کیچڑ سے پیدا کیا کیونکہ کیچڑ میں کیڑے وغیرہ نکلتے دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن ٹھیکری کا تو کوئی تصور ہی نہیں آتا۔ اس زمانے سے آج تک کوئی انسان یہ نہیں سوچ سکتا تھا نہ کسی کتاب میں ذکر ہے کہ بجنے والی کھنکھناتی ہوئی ٹھیکریوں سے انسان کو پیدا کیا لیکن اب سائنس نے اس سے پردہ اٹھایا ہے۔ سائنسدان ثابت کرتے ہیں کہ قرآن کریم کی یہ آیت سو فیصدی درست ہے کیونکہ جب وہ یہاں تک پہنچے کہ الیکٹریکل چارجز سے کچھ مادہ وجود میں آیا وہ پانی میں حل ہوا پھر کیمیکل ارتقاء کا عمل بڑھنا شروع ہوا تو وہاں Stuck ہوگیا کیونکہ عمل معکوس Reversible Process تھا۔ پانی کے اندر رہتے ہوئے وہ عمل ایسے مادے میں تبدیل ہو ہی نہیں سکتا تھا جو آگے کسی اور شکل میں بدل جاتا۔ پھر انہوں نے جائزہ لیا تو اب وہ قطعی طور پر ثابت ہوگیا ہے۔

انسانی تخلیق اور اس کا حیرت انگیز ارتقاء

ہوا یہ ہے کہ سمندر آگے بڑھتا اور پیچھے ہٹتا رہتا ہے۔ اس نے اس قسم کے مادے کو یعنی کیمیکل مادے کو جس کا میں ذکر کر رہا ہوں اس کو ایسی جگہ پھینکا جہاں سیلیکون (Silicon) کا مادہ موجود تھا اور سیلیکون میں جذب ہونے کے بعد وہ ٹھیکریوں میں تبدیل ہوگیا اور وہ خشکی جو اگلے عمل کے لئے ضروری تھی وہ مہیا ہوگئی اور جب اس کی سطح پر وہ کیمیاوی تبدیلیاں پیدا ہوگئیں جو مکمل طور پر خشکی کو چاہتی تھیں تو پھر کیا بروقت اللہ تعالیٰ کا پروگرام تھا کہ پھر وہ سمندر دوبارہ بڑھا ہے کہیں پھر ان جگہوں میں داخل ہوگیا جہاں یہ مادہ ترقی پانے کے لئے تیار تھا۔ پانی اس کو بہا کر دوبارہ سمندر میں لے گیا اور عمل معکوس Reversible Process آگے

کیمیکل ارتقائی عمل میں تبدیل ہوگیا۔

پھراس کے بعد حماء مسنون کی باری آتی ہے۔اس کے نتیجہ میں زندگی پیدا ہونی شروع ہوئی کیونکہ کیمیکلز زیادہ مالیکیول میں تبدیل ہوگئے اور کسی ایسے مرحلے پر ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی امر ملا ہے جس سے لائف پیدا ہوئی ہے کیونکہ یہ کیمیکل عمل ازخود لائف میں نہیں بدل سکتے۔ انسان جب مرتا ہے تو اس کے جسم کی کیمسٹری وہی رہتی ہے۔ جب تک آہستہ آہستہ شکست و ریخت کے عمل سے نہ گزرے۔لیکن زندہ اور مردہ میں ایک فرق ہے جس کو آج تک سائنسدان نہیں سمجھ سکا اور غالباً نہیں سمجھ سکے گا۔کیونکہ روح کا مسئلہ اتنا لطیف ہے کہ اس تک انسان کی پہنچ مشکل نظر آتی ہے مگر یہاں پر ایک فرق اور بڑا بھاری فرق یہ موجود ہے کہ ایک کیمیکل آرگنائزیشن بعینہٖ وہی موجود ہے لیکن ایک زندگی ہے اور ایک موت ہے تو خدا تعالیٰ نے کسی وقت اس کو زندگی میں بدلا ہے پھر حماء مسنون کی باری آئی ہے پھر حَمَاءٍ مَسْنُوْن سے وہ امیبا (Amoeba) پیدا ہوئے جس کو اللہ تعالیٰ نفس واحدہ کا نام دیتا ہے اور اس سے پھر مزید بڑھتے ہوئے جوڑے پیدا ہوئے جن سے آگے زندگی جاری ہوئی۔

یہ عمل شروع میں یعنی آغاز میں بوٹانیکل نیچر میں زیادہ تھے اور زولوجیکل نیچر کے کم تھے کیونکہ جو ابتدائی ذرات ہیں ان میں ابھی امتیاز نہیں پیدا ہوسکتا کہ یہ زولوجیکل جانور ہیں یا بوٹانیکل بینز (Beans) ہیں کیونکہ (Motality) یہ سارے عمل اور وہ سارے مظاہر جو بوٹانیکل لائف کو زولوجیکل لائف سے الگ کرتے ہیں وہ ابھی پوری طرح پیدا نہیں ہوئے۔ اس لئے...... کا دور یہاں سے شروع ہوتا ہے۔کئی قسم کی بوٹانیکل لائف نے اپنا سر نکالا سمندر میں اور وہ جب کنارے پر بڑھتا تھا اور واپس آتا تھا وہاں وہ بیج چھوڑ دیتا تھا جس سے پھر خشکی کے نباتات کا آغاز ہوتا ہے اور جیسا کہ مَیں نے بیان کیا تھا، اس دور سے پھر وہ لائف بھی جنم لیتی ہے جس کو ہم زولوجیکل لائف کہتے ہیں اور پھر مُضْغَه اور عَلَقَه کا دور شروع ہوتا ہے۔بعض علماء یہ سمجھتے ہیں کہ صرف ماں کے پیٹ میں جو لوتھڑا ہے بغیر ہڈی کے اور پھر خون والا اور پھر ہڈی اور پھر گوشت وغیرہ اس کا ذکر ہے حالانکہ قرآن کریم واضح طور پر کہتا ہے کہ ہم نے تمہیں جس طرح پیدا کیا اس مظہر کا تم نے مطالعہ کرنا ہو تو ماں کے پیٹ میں جو تمہیں شکلیں دی جاتی ہیں ان کا مطالعہ کرو جس کا مطلب یہ ہے کہ ماں کے پیٹ میں آغاز زندگی سے لے کر انسانی نشوونما کی تمام تاریخ دوہرائی جاتی ہے اور تمام ارتقائی مراحل Miniature Evolutionary Stages آپ کو مختلف سانچوں میں مختلف لمحات میں نشوونما پاتی ہوئی نظر آئیں گی۔تو مضغه اور علقه کا دور یعنی بغیر ہڈی کے جانور جو گوشت جیسے جانور نہ ہوں بلکہ جس طرح سمندر میں جیلی فش جیسی چیزیں ملتی ہیں اس قسم کے جانوروں کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے ان کو ہم نے پہلے پیدا کیا اور ارتقائی ثبوت بھی یہی ہے کہ یہ جانور پہلے پیدا ہوئے کیونکہ جیسا کہ مَیں نے سارا سلسلہ بیان کیا قرآن کریم وضاحت سے فرما رہا ہے کہ ماں کے پیٹ میں ہم تمہیں جو شکلیں دیتے ہیں وہ تمہیں مدد دیں گی۔اس مظہر کو سمجھنے میں کہ ہم نے انسان کو کس طرح پیدا کیا؟ تو اس لئے ہم قرآن کی طرف بات منسوب نہیں کررہے۔ قرآن خود اپنی

وضاحت آپ کر رہا ہے۔

قدرت کا عنوان

اس عمل کو یا ان حوالہ جات کو اگر زولوجیکل طالب علم سمجھے تو ارتقاء کی ایک قرآنی تصویر بنتی ہے جس میں اس کے عنوان کا ایک بڑا نمایاں فرق ہے۔ ایک ہے اندھا ارتقاء جس کو اکثر دہریے مانتے ہیں اور اب ان کے رستے میں روکیں پیدا ہوگئی ہیں کیونکہ مزید ایسا ثبوت مہیا ہوا ہے جس سے وہ چکر میں پڑ گئے ہیں اور ان کا ایک طبقہ مجبور ہو گیا ہے یہ کہنے پر کہ بے ترتیب ارتقاء جیسی کوئی چیز نہیں لیکن قرآن کریم نے تو آج سے چودہ سو سال پہلے بتا دیا تھا کہ اندھے ارتقاء کا نظریہ غلط ہے۔ قرآن آغاز سے ہی اس کا نام انسان رکھتا ہے یعنی فرماتا ہے انسان کے عنوان کے تابع یہ نشوونما ہو رہی تھی۔ اس کو آرگنائزڈ ارتقاء کہہ سکیں گے نہ کہ اندھا ارتقاء۔ اندھے ارتقاء اور آرگنائزڈ ارتقاء میں بنیادی فرق یہ کہ دہریہ کہتا ہے کہ یہ چیزیں اتفاقاً پیدا ہوتی رہیں اور اتفاقاً ان کو ہدایات ملتی رہیں اور اتفاقاً ہر مرحلہ کے بعد جو اگلا مرحلہ سامنے آیا وہ پہلے سے بہتر تھا۔ اس لئے وہ زندہ رہا اور اس طرح آہستہ آہستہ سارے مراحل میں آخر انسان پیدا ہوا۔

ہستی باری تعالیٰ کا زبردست ثبوت

جیسا کہ مَیں نے کہا ہے اب تازہ ترین معلومات ایسی مہیا ہوگئی ہیں کہ جس سے اس تھیوری کو بالکل ردی کا ٹکڑا سمجھ کر پھینک دیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ حساب دانوں نے اس میں ایک بڑا کردار ادا کیا ہے۔ ابھی حال ہی میں امریکہ میں ایک کانفرنس ہوئی جس میں بیالوجسٹ اور حساب دان شامل ہوئے۔ ایک حساب دان نے حساب کتاب سے ثابت کیا کہ تم جس قسم کے اتفاقات پر اپنے ارتقاء کی بناء رکھ رہے ہو وہ بے سمت Undirected ارتقاء ہے۔ مربوط ارتقاء میں تو کوئی اعتراض پیدا نہیں ہوتا۔ ایک صاحب اقتدار ہستی موجود ہے جو شعوری طور پر اس عمل کی نشوونما کر رہی ہے جس طرح انسان Bricks رکھتا ہے یا حروف کو آگے پیچھے رکھ کر ایک بامعنی چیز بناتا چلا جاتا ہے۔ اس میں اتفاقات کے قانون Law of Chances کی طرف سے کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا لیکن اگر ایک صاحب اقتدار ہستی نہ مانی جائے تو پھر ان کے جنم لینے کے امکانات کی کیا شکل بنتی ہے۔ یہ اس حساب دان نے پیش کی۔ اس نے کہا اس سے پھر یہ مشکل بنے گی کہ تم یہ تسلیم کرو کہ A-B-C-D-E-F آخر تک لکھے ہوئے پڑے ہوں اور ڈائس کی طرح تم ان کو پھینکو اور ایسا اتفاق ہو کہ A-B-C-D-E-F کونسونینٹ Consonant اور واولز Vowels اتفاقاً اس طرح گر پڑیں کہ بامعنی الفاظ بن جائیں اور پھر اتفاقاً وہ اس طرح آرگنائز ہو جائیں کہ ایک لفظ کے بعد دوسرا آنا چاہیے وہی آئے اور دوسرے کے بعد جو تیسرا آنا چاہیے وہی آئے پھر کاما اور فل سٹاپ بھی بیچ میں ڈالیں وہ بھی عین وہاں فٹ ہو جائیں اور بامعنی فقرہ بن جائے اور بامعنی فقرہ کافی نہ ہو بلکہ آپ ڈائیس کھینچتے جائیں اور ہر اگلا فقرہ ایک بامعنی گہرے مضمون پر مشتمل تیار ہوتا چلا جائے ایسی ۲۵ ہزار صفحے کی نہایت گہری علمی تحقیقات پر مبنی کتابیں اگر اتفاقاً پیدا ہو سکتی ہیں تو لائف بھی اتفاقاً پیدا ہو سکتی ہے ورنہ نہیں ہو سکتی۔

There are final Judgement of the knowledgeable scientists

جن کو اپنے علم پر عبور حاصل ہے۔ چنانچہ وہ پھر وہی

as you were ہوگئے ہیں۔ ہمیں کچھ پتہ نہیں کہ Life کیسے Evolve ہوئی۔ یہ تو پتہ ہے کہ اس کے بعد یہ ہوا لیکن یہ کہ اس کے بعد وہ ہو کس طرح ہو سکتا تھا؟ اس کا کچھ پتہ نہیں۔ ایک اور امریکن سائنٹسٹ ہے Loyal اور ایک مسٹر سنگھا نے مل کر کتاب لکھی ہے جو بڑی دلچسپ ہے۔ انہوں نے اس پر غور کیا تو انہوں نے حساب کی رو سے ایک اور فارمولا پیش کیا۔ انہوں نے کہا کہ لمبے ارتقاء کو تو چھوڑو D.N.A کا پہلا Cell بنانے کے لئے اینزائمز Enzymes اور پروٹین کی اندرونی آرگنائزیشن کے لئے جتنے اتفاقات کی ضرورت ہے اتنی Astronomical Figure بنتی ہے کہ پہلا سیل بننا ہی نہیں تسلیم ہو سکتا کیونکہ جو عدد وہ حسابی طور پر طے کرتا ہے، وہ ایسی تعداد ہے کہ ساری کائنات کی (صرف ہماری گلیکسی کی نہیں) جس میں اربوں ایسی گلیکسیز ہیں اور ہر گلیکسی میں اربوں ستارے ہیں اور ہر ستارے میں ہمارے نقطۂ نگاہ سے ان گنت ایٹم ہیں اور ایٹمز کے آگے مزید حصے Sub Particles ہیں اور یہ بھی آگے تقسیم ہو رہے ہیں۔ یہ سب کچھ جتنا بھی ہے اگر ساری کائنات کے ذیلی حصے شمار کئے جائیں تو اتنا عدد نہیں بنتا جتنا اتفاق کے لئے چاہیے اور وہ عدد ہے دس ضرب چالیس ہزار حصے اور اگر منفی لگا دیں تو مطلب یہ ہے کہ ان سب میں سے ایک چانس ہوگا۔ اس بات کا کہ زندگی کا پہلا سیل اتفاقاً بن گیا۔ اس لئے قرآنی نظریہ ہی قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ مربوط ارتقاء Guided Evolution ہے۔ دوسری جگہ خدا فرماتا ہے کہ ہم نے ہر چیز کو پیدا ہی ارتقائی عمل سے کیا ہے۔ طباقاً یعنی درجہ بدرجہ ترقی دی ہے اور ربّ کے معنے بھی یہی ہیں کہ جو ایک دم پیدا نہ کرے۔ بلکہ ربوبیت کرے درجہ بدرجہ ترقی دے۔

oooooooooooooooooooooo

تنہائی

پھر کوئی آیا دلِ زار! نہیں کوئی نہیں
راہرو ہوگا، کہیں اور چلا جائے گا
ڈھل چکی رات، بکھرنے لگا تاروں کا غبار
لڑکھڑانے لگے ایوانوں میں خوابیدہ چراغ
سو گئی راستہ تک تک کے ہر اک راہگزار
اجنبی خاک نے دھندلا دیے قدموں کے سراغ
گل کرو شمعیں، بڑھا دو مے و مینا و ایاغ
اپنے بے خواب کواڑوں کو مقفل کرلو
اب یہاں کوئی نہیں، کوئی نہیں آئے گا

(فیض احمد فیض)

اعلان

بعض خریداران کی طرف سے رسالہ نہ ملنے کی شکایت ہوتی ہے ان کی سہولت کے لئے یہ اعلان کیا جا رہا ہے کہ
۱۔ اگر آپ اندرون ملک اپنا رسالہ بذریعہ کوریئر لگوانا چاہتے ہیں تو اس صورت میں سالانہ چندہ 280 روپے ہوگا۔
۲۔ اگر آپ بیرون ملک اپنا رسالہ بذریعہ رجسٹری لگوانا چاہتے ہیں تو سالانہ چندہ پاکستانی روپے میں 2100 روپے ہوگا۔
اگر آپ اپنا رسالہ رجسٹری یا کوریئر کے ذریعہ منگوانا چاہتے ہیں تو براہ کرم اپنے خریداری نمبر کے ساتھ فوری طور پر دفتر اشاعت میں فیکس یا خط سے اطلاع دیں۔

(مینیجر ماہنامہ خالد/تشحیذ الاذہان)

فون: 0092-4524-212349-212685
فیکس: 0092-4524-213091

ٹینٹ سروس
اینڈ
کیٹرنگ

حضرت حسن رہتاسی صاحب کی بذلہ سنجی

(میر انجم پرویز)

حضرت حسن رہتاسی صاحب جماعت احمدیہ کے مزاحیہ شعراء کے سرخیل تھے۔ آپ کے والد حضرت منشی گلاب دین رہتاسی صاحب بھی بہت اچھے شاعر اور اپنے علاقہ کے مشہور واعظ تھے۔ ہر دو کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا رفیق ہونے کا شرف حاصل ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی تصنیف لطیف ''سراج منیر'' کے آخر میں حضرت منشی گلاب دین صاحب کی ایک نظم شامل کر کے اسے حیاتِ دوام بخشی ہے۔ نظم کا مطلع یہ ہے ۔

اللہ اللہ صدی چودھویں کا جاہ و جلال
رحمتِ حق سے ملا ہے اسے کیا فضل و کمال

حضرت حسن رہتاسی صاحب اپنی بذلہ سنجی کی وجہ سے پورے برصغیر میں مشہور تھے۔ انتہائی قادر الکلام اور بدیہہ گو شاعر تھے۔ حافظہ بلا کا تھا۔ اسی وجہ سے اپنے کلام کو لکھتے نہ تھے۔ ہزارہا اشعار ہمہ وقت مستحضر رہتے تھے جن میں بہت طویل نظمیں بھی شامل ہیں۔ ۱۰ مارچ 1951ء کو بعمر ۸۰ سال فیصل آباد میں وفات پائی۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت حسن رہتاسی صاحب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:-

''بہت زندہ کلام تھا ان کا۔ احمدی شعراء میں سے اگر کسی نے ہجو کہی ہے تو انہوں نے کہی ہے۔ ایسی ہجو کہتے تھے کہ جس کے بارے میں لکھتے تھے اس کا حلیہ بگاڑ دیتے تھے۔'' (روزنامہ الفضل ۳۰ جنوری ۱۹۹۴ء)

حضرت حسن صاحب کا کلام پہلی دفعہ ڈاکٹر نذیر ریاض صاحب نے ''کلامِ حسن رہتاسی'' کے نام سے شائع کیا۔ حال میں (۲۰۰۱ء میں) ابنِ آدم صاحب نے حضرت حسن صاحب کے بعض واقعات شامل کر کے اسے از سرِ نو ترتیب دیا ہے جس میں سے چند دلچسپ واقعات قارئین ''خالد'' کے لئے پیش ہیں۔

آپ ہیں ''سر'' میں سراپا دردِ سر

حضرت حسن رہتاسی صاحب ایک مرتبہ حضرت چوہدری سر ظفر اللہ خان صاحب سے ملنے آئے مگر چوہدری صاحب سر درد کی وجہ سے صاحب فراش تھے۔ انہوں نے ملنے سے معذوری کا اظہار کیا، مگر حسن صاحب نے معذرت قبول نہ کی اور ایک کاغذ کے پرزے پر درج ذیل شعر لکھ کر اندر بھجوا دیا۔

آپ ہیں ''سر'' میں سراپا دردِ سر
درد سر کو چھوڑ کر جائے کدھر

یہ دلچسپ اور برجستہ شعر سن کر چوہدری صاحب اپنی تکلیف بھول گئے اور انہیں شرفِ ملاقات بخشا۔

بوڑھوں کا پچھلی عمر میں نورِ نظر ہوں میں

قریباً چوالیس سال قبل کی بات ہے جب کہ راقم الحروف (ابنِ آدم) حسن صاحب کے دوستوں سے ملاقات کر کے کلامِ حسن جمع کیا کرتا تھا۔ جہلم کے شیخ عبدالعزیز ابن شیخ

قمر الدین صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے جہلم میں عینک سازی کی دُکان شروع کی اور حسن صاحب سے اپنے کاروبار کے فروغ کے لئے شعر کی فرمائش کی۔ انہوں نے برجستہ میرے لئے ایک قطعہ لکھ دیا۔

چشمہ ہے مرا نام معینِ بصر ہوں میں
پیک نگاہ کے واسطے زادِ سفر ہوں میں
تعویذ ہوں نظر کا جوانوں کے واسطے
بوڑھوں کا پچھلی عمر میں نورِ نظر ہوں مَیں

"باباعالم سیاہ پوش"

ایک دفعہ لاہور میں پنجابی زبان کے ایک مکالمہ نگار وشاعر "باباعالم سیاہ پوش" سے ملے، انہیں سناتو اٹھتے ہوئے فرمایا۔

اس چودھویں صدی کے نرالے ہی ڈھنگ ہیں
عالم سیاہ پوش ہیں، جاہل سفید پوش

سرگودھا کی وجہ تسمیہ

یہ تو احباب کو معلوم ہے کہ سرگودھا کے علاقہ میں "سر" تالاب کو کہتے ہیں۔ حسن صاحب سرگودھا آئے اور باتوں باتوں میں کسی نے شہر سرگودھا کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ یہ گودھا نامی شخص کے نام پر ہے، یہاں اس کا تالاب ہوتا تھا۔ حسن کہنے لگے۔

تیری اس نکتہ نوازی پر حسن حیران ہے
دے دیا گودھے کو پس از مرگ بھی "سر" کا خطاب

"گھسیٹا" اور "اسماعیل کو کاٹے"

مختصر ودلچسپ سجع کہنے میں حسن صاحب کو کمال حاصل تھا۔ کلام موزوں بالخصوص وہ شعر یا مصرع جس میں کسی کا نام آجائے سجع کہلاتا ہے۔ ایک دن ایک گھسیٹا نامی شخص نے کہا۔ "ہمارے نام کا سجع لکھیں تو جانیں" حسن صاحب کہنے لگے۔

"کوئی ایسا مشکل تو نہیں" پھر چند لمحوں کے لئے گردن گریبان میں رہی، ابھری تو یہ سجع زبان پر تھا۔

جسے میں نے سُلایا فرشِ گل پر
مجھے اس گل نے کانٹوں پر "گھسیٹا"

یہ سن کر حاضرین میں سے ایک شخص نے ایک بڑا ہی مشکل نام اپنے ایک بمبئی کے دوست "اسماعیل کو کاٹے" کا پیش کر دیا۔ حسن صاحب سنتے ہی بولے۔

یہ ابراہیم کا دل ہے کہ "اسماعیل کو کاٹے"

گل وخار

ایک مرتبہ مرزا گل محمد صاحب کار میں بیٹھے ساتھیوں کے ساتھ شکار کو جارہے تھے۔ حسن رہتاسی صاحب احمدیہ چوک میں کسی دکان میں بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے مرزا گل محمد صاحب کو مخاطب کر کے کہا۔

جا رہے ہیں کار میں بہرِ شکار
گل ہے ان میں ایک باقی سب ہیں خار

یہ برجستہ اور برمحل شعر سن کر مرزا گل محمد صاحب نے حسن صاحب کو بطور انعام پانچ روپے دیئے۔ اس زمانہ میں پانچ روپے معمولی رقم نہ تھی۔

تری خیر شام وسحر مانگتا ہوں

ڈاکٹر محمد احمد سرساوی صاحب، مولانا احمد خان صاحب نسیم، مولوی عبدالعزیز بھامڑی صاحب، فضل الٰہی خان صاحب (والی بال کے کھلاڑی) ماسٹر نور الٰہی صاحب اور دیگر اہل علم وذوق کی مجلس بیت اقصیٰ میں جمتی تھی۔ اس مجلس

میں محمد اسحٰق صاحب بھی اکثر شریک ہوتے تھے۔ ایک موقع پر انہوں نے بازار سے ''تریں'' خریدیں کہ مجلس میں بیٹھ کر کھائیں گے۔ بیت اقصیٰ کی سیڑھیوں میں انہیں حسن رہتاسی صاحب نظر آئے۔ انہوں نے ان کو بھی اس ''تر مجلس'' میں شرکت کی دعوت دی۔ حسن صاحب نے سیڑھیاں چڑھتے چڑھتے، اس دعوت کے جواب میں ایک شعر کہہ دیا۔

نہ کدو نہ توری نہ تر مانگتا ہوں
تری خیر شام و سحر مانگتا ہوں

مجھ کو اخیر وقت دیا نظم کے لئے

ایک جلسہ کی تقریب کے اختتام پر حسن صاحب سے کچھ سنانے کی فرمائش کی گئی۔ آپ نے فی البدیہ کہا ۔

مجھ کو اخیر وقت دیا نظم کے لئے
شایاں نہ تھا ضرور میں اس بزم کے لئے
ناراض ہوں نہ آپ تو اتنا میں پوچھ لوں
ملّا تھا میں کہ مجھ کو رکھا ختم کے لئے

وہ ہوگی ختم جا کر پھر کہیں برسوں مہینوں میں

محترم مسعود احمد صاحب دہلوی نے یہ واقعہ سنایا۔

ایک دفعہ جماعت دہلی کا جلسہ ایک کھلے پنڈال میں ہو رہا تھا۔ اس کے ایک اجلاس کی صدارت حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب کر رہے تھے۔ ان دنوں حسن صاحب دہلی میں مقیم تھے۔ جلسہ کے پروگرام میں حسن صاحب کی نظم بھی شامل تھی، جو انہوں نے سنانا شروع کی۔ نظم بہت دلچسپ مگر طویل تھی۔ کم و بیش چالیس اشعار ہوں گے۔ حسن صاحب اسے لہک لہک کر پڑھ رہے تھے جس سے نظم کی طوالت دگنی ہو گئی تھی۔ مقطع یہ تھا ۔

کسی کو ناز دولت پر کسی کو زہد و تقویٰ پر
حسن تم کون بیچارے نہ تیرہ میں نہ تینوں میں

منتظمین جلسہ پر یہ لمحے گراں گزر رہے تھے مگر سامعین جھوم رہے تھے۔ قافیے پر قافیہ امڈا چلا آ رہا تھا۔ خدا خدا کر کے یہ نظم ختم ہوئی تو صدر جلسہ نے سکھ کا سانس لیا لیکن غضب یہ ہوا کہ جونہی نظم ختم ہوئی، سامعین نے ''ایک اور ایک اور'' کا نعرہ بلند کر دیا۔ اس پر چوہدری صاحب نے برجستہ کہا:-

''مزید نظم سنانے کی اجازت نہیں دے سکتا اس لئے کہ
وہ ہوگی ختم جا کر پھر کہیں برسوں مہینوں میں''

اس پر سامعین بے ساختہ ہنس پڑے اور یوں حسن صاحب کا مشاعرہ ختم ہوا اور جلسہ کی کارروائی کا باقاعدہ آغاز ہوا۔

خدا کے گھر میں رہتا ہوں

حسن رہتاسی صاحب اجنبی شہروں میں اکثر بیت الذکر ہی میں شب بسر کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ کسی نے دریافت کیا حسن صاحب! ان دنوں قیام کہاں ہے؟ بولے ۔

نہ ابا کے نہ دادا کے نہ اپنے گھر میں رہتا ہوں
چھٹا ہے جب سے گھر اپنا خدا کے گھر میں رہتا ہوں

یہ حسن صاحب کے آخری ٹھکانے لائلپور (حال فیصل آباد) کا ذکر ہے۔ اس بیت الذکر میں آپ نے وفات پائی۔

☆☆☆

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

''ہمیشہ دیکھنا چاہیے کہ ہم نے تقویٰ و طہارت میں کہاں تک ترقی کی ہے''۔ (ملفوظات جلد اوّل صفحہ ۸)

ہر احمدی بچے کو کم از کم ایف-اے ضرور کرنا چاہیے

پیارے آقا سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ۵ دسمبر ۲۰۰۳ء کے

خطبہ جمعہ میں احمدی طلبہ کو تحریک کرتے ہوئے فرمایا:

''پاکستان میں ہر بچے کیلئے حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ شرط لگائی تھی کہ ضرور میٹرک پاس کرے بلکہ اب تو معیار کچھ بلند ہو گئے ہیں۔ میں کہوں گا کہ **ہر احمدی بچے کو کم از کم ایف-اے ضرور کرنا چاہیے**۔ افریقہ میں یہ کم از کم معیار ہے پڑھائی کا۔ سیکنڈری سکول کا یا GCSE وغیرہ یہاں بھی ہے وہاں بھی۔ اسی طرح ہندوستان میں، بنگلہ دیش میں اور ملکوں میں، یہاں بھی میں نے دیکھا ہے یورپ اور امریکہ کے بعض لڑکے ملتے ہیں وہ پڑھائی چھوڑ بیٹھے ہیں تو یہ کم از کم معیار ضرور حاصل کرنے چاہئیں۔''

KHALID

February 2004
Regd. CPL # 75/CR

Mansoor Ahmad Nooruddin